اِدراکِ کُتب
لفظ لکھوں تو زمانہ درشن مانگے میرے
درویش ہوں صاحب درویشی بات ہے
آصف احمد

درویش

درویش دو لفظوں سے مل کر بنا ہے ''دُر'' جس کا معنی ہے موتی اور ''ویش'' جس کا معنی ہے بکھیرنا۔ ایسی بات لکھنے والا، بتانے والا جس سے معرفت کے سچے موتی بکھر جائیں اور جہاں بکھریں، وہاں صرف وہ معرفت ہی نہیں، معرفت کا گلستان آباد ہو جائے۔ اسے درویش کہتے ہیں۔ بقول سلطان باہو "دُرویش بن، دَرپیش نہ بَن" اس کا مطلب یہ ہے کہ درویش کا کام ہے کہ معرفت کے موتی کو یعنی جو اس نے بکھیرنا ہے طالب کے دل میں مانندِ گلزار نچھاور کردے۔ درویشی، فقیری یہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور ان دونوں لفظوں میں سارے جہاں پوشیدہ ہیں۔

میرا پیغام

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے محبت کا جذبہ بے مثال ہے۔ اگر یہ محبت رب کریم سے ہو تو یہ لازوال بن جاتی ہے۔ اپنے آپ کو اس رب کے حوالے کرنا ہے جو ہم سے بے حد محبت رکھتا ہے۔ اور یہ فطرتی ایسا ہوتا ہے جب ایک انسان کو اپنے جیسے انسان سے محبت ہو جائے تو یقیناً وہ اس کا فراق برداشت نہیں کرتا۔ اگر اس کو اپنے محبوب مجازی سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ بے اختیار ہو کے فرط محبت سے مجبور ہو کر روتا ہے لیکن جیسے جیسے وہ مزید روتا ہے تو اس کی روح بے چین ہو جاتی ہے۔ اس کو اس رونے سے کوئی روحانی سکون نہیں ملتا بس وہ اس تکلیف کے سبب روتا ہے جو اسے دی گئی تھی۔ لیکن اگر کوئی آنسوؤں کا دریا بھی بہا دے تو روح سرشار نہیں ہو گی۔ اور وہ دل میں ایک بے چینی اور رب سے دوری محسوس کرے گا۔ کیونکہ روح جس چیز سے سکون پاتی ہے وہ فقط اللہ کی یاد ہے۔ اس کی تخلیق ہی ایسے کی گئی کہ اسے سکون رب کی یاد کے سوا کسی اور چیز سے نہیں ملتا۔ عشق مجازی میں تڑپنا اور بے قرار ہونا روح کو کبھی قرار نہیں دے سکے گا۔ وہ بے چین ہی رہے گی لیکن اگر رب کی یاد

اوراس کی محبت میں فقط ایک آنسونہیں بلکہ وہ پانی جوآنکھ کے اندر ہی تیر گیا ہو اور رخسار پہ بھی نہ پھیلا ہو وہ روح کے اندر سکون کو اتارتا چلا جائے گا۔رب بہت قریب ہے وہ انسان کی سانسوں سے زیادہ اس کے قریب ہے بس بات محسوس کرنے کی ہے۔اپنے دل کی محبت اوراس کے لیے تڑپ عشق مجازی کی صورت میں محبوب کو بتانی ہوگی کیونکہ وہ محب کے اندر کے حال سے واقف نہیں لیکن عشق حقیقی میں خاموش آنسو، دل کے اندر اٹھتے محبت کے جذبات، ہر آنے والے خیال، اورمحب کی سرگوشیوں سے محبوب ہرلمحہ، ہر گھڑی آگاہ ہے اورسب سے بڑی بات یہ کہ عشق مجازی میں محب اور محبوب دونوں کوایک دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے اورمحبوب عام طور پہ اپنے محب کی محبت کی بدولت گھمنڈ کرتے ہوئے غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے اور رسم وفانہیں نبھاتا لیکن عشق حقیقی میں محبوب کومحب کی ضرورت کوئی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہ اسکے جذبہ محبت کی قدر کرتا ہے اورخود بھی اس سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔

اللہ رب العزت ہم سب کوعشقِ حقیقی نصیب فرمائے: آمین

غزلیں

چھیڑو نغمہ

باقی سب کچھ فانی ہے
ایک وہی لافانی ہے

سنتے رہتے ہیں ہم سب
دنیا ایک کہانی ہے

شرم و حیا سب قصے ہیں
سوکھا آنکھ کا پانی ہے

شعلہ نہیں شبنم بھی نہیں
بس بے رنگ جوانی ہے

نغمہ کوئی چھیڑو درویشؔ
محفل محفل ویرانی ہے

★★★★★

خدائے خوف

حرام کھاتے ہیں کوئی قضا کا خوف نہیں
یہ کیسے لوگ ہیں اِن کو خدا کا خوف نہیں

اُسی کو لوگ یہ گُستاخ کہہ کے ماریں گے
وہ جس کو اپنی طرف سے خطا کا خوف نہیں

رعایا بُھوک سے مرتی ہے گر تو مر جائے
اُسے کسی کی بھی آہ و بکا کا خوف نہیں

میں سچ تو سامنے لاؤں گا کُچھ بھی ہو جائے
میں سر پھرا ہُوں مجھے انتہا کا خوف نہیں

مُجھے بُجھائیں گے کیا تیرے پالتو کُتے
میں وہ دِیا ہُوں کہ جس کو ہوا کا خوف نہیں

نہ جانے کتنے غریبوں کا حق غصب کر کے
وہ کہہ رہے ہیں کسی کو خُدا کا خوف نہیں

آصفؔ ہم کو تو خُود سے بھی خوف آتا ہے
بنائے دوست وہ جس کو دَغا کا خوف نہیں

چراغِ غزل

ہمارے پاس تو آؤ بڑا اندھیرا ہے
کہیں نہ چھوڑ کے جاؤ بڑا اندھیرا ہے

اداس کر گئے بے ساختہ لطیفے بھی
اب آنسوؤں سے رلاؤ بڑا اندھیرا ہے

کوئی ستارہ نہیں پتھروں کی پلکوں پر
کوئی چراغ جلاؤ بڑا اندھیرا ہے

حقیقتوں میں زمانہ بہت گزار چکے
کوئی کہانی سناؤ بڑا اندھیرا ہے

کتابیں کیسی اٹھا لائے میکدے والے
غزل کے جام اٹھاؤ بڑا اندھیرا ہے

غزل میں جس کی ہمیشہ چراغ جلتے ہیں
اسے کہیں سے بلاؤ بڑا اندھیرا ہے

وہ چاندنی کی بشارت ہے حرفِ آخر تک
میاں آصفؔ کو لاؤ بڑا اندھیرا ہے

★★★★★

لکھ دینا

وہ حیرتوں کی مکمل کتاب لکھ دینا
سوال کرنے سے پہلے جواب لکھ دینا

شکست وریخت کا پیہم عذاب لکھ دینا
وہ اس کا جاگتی آنکھوں میں خواب لکھ دینا

عجیب طرح بتانا حیات کا مفہوم
وہ انگلیوں سے ہوا پر حباب لکھ دینا

ہمارے گھر کے چراغوں کا امتحاں ہی سہی
تم آندھیوں کے مسلسل عذاب لکھ دینا

سمندروں کی بھی وسعت جو پیاس سے کم ہو
ہمارے خونِ جگر کو شراب لکھ دینا

اگر نہیں شجر سایہ دار رستوں میں
سروں پہ جلتے ہوئے آفتاب لکھ دینا

آصفؔ عجیب ہے اسلوب خامشی اس کا
بس اک نگاہ میں دل کی کتاب لکھ دینا

خلا

احتیاطاً اسے چھوا نہیں ہے
آدمی ہے کوئی خدا نہیں ہے

دشت میں آتے جاتے رہتے ہیں
یہ ہمارے لیے نیا نہیں ہے

تم سمجھتے ہو نا خدا خود کو
تم پہ دریا ابھی کھلا نہیں ہے

جس کا حل سوچنے میں وقت لگے
وہ محبت ہے مسئلہ نہیں ہے

باغ پر شعر کہنے والوں کا
ایک مصرع ہرا بھرا نہیں ہے

ریت ہی ریت ہے تہہ دریا
یعنی صحرا ابھی مرا نہیں ہے

آؤ چلتے ہیں آصفؔ خلا کی طرف
سن رہے ہیں وہاں خلا نہیں ہے

★★★★★

چپر چپاءِ غزل

بات دل کو میرے لگی نہیں ہے
میرے بھائی یہ شاعری نہیں ہے

جانتی ہے میرے چراغ کی لو
کون سے گھر میں روشنی نہیں ہے

وہ تعلق بھی مستقل نہیں تھا
یہ محبت بھی دائمی نہیں ہے

میں جو قصہ سنا چکا تو کھلا
کوئی دیوار بولتی نہیں ہے

دیکھنے والی آنکھ بھی تو ہو
کون! دریا میں جل پری نہیں ہے؟

چرچاءِ غزل

بزدلا چھپ کے وار کرتا ہے
تجھ کو تہذیب دشمنی نہیں ہے

کیا کروں اس بہشت کو جس میں
ایک بوتل شراب کی نہیں ہے

تجھ سے ملنا بھی ہے نہیں بھی مجھے
اور طبیعت الجھ رہی نہیں ہے

کون سے شہر کے چراغ ہو تم
تم میں دم بھر کی روشنی نہیں ہے

جس کا چرچا ہے شہر میں آصفؔ
وہ غزل تو ابھی کہی نہیں ہے

غـزلِ جوانی

ٹھہری ٹھہری سی طبیعت میں روانی آئی
آج پھر یاد محبت کی کہانی آئی

آج پھر نیند کو آنکھوں سے بچھڑتے دیکھا
آج پھر یاد کوئی چوٹ پرانی آئی

مدتوں بعد چلا ان پہ ہمارا جادو
مدتوں بعد ہمیں بات بنانی آئی

مدتوں بعد پشیماں ہوا دریا ہم سے
مدتوں بعد ہمیں پیاس چھپانی آئی

مدتوں بعد کھلی وسعت صحرا ہم پر
مدتوں بعد ہمیں خاک اڑانی آئی

مدتوں بعد میسر ہوا ماں کا آنچل
مدتوں بعد ہمیں نیند سہانی آئی

اتنی آسانی سے ملتی نہیں فن کی دولت
ڈھل گئی عمر تو غزلوں پہ جوانی آئی

★★★★★

حُسنِ بیاں

اس دشت سے آگے بھی کوئی دشت گماں ہے
لیکن یہ یقیں کون دلائے گا کہاں ہے

یہ روح کسی اور علاقے کی مکیں ہے
یہ جسم کسی اور جزیرے کا مکاں ہے

کرتا ہے وہی کام جو کرنا نہیں ہوتا
جو بات میں کہتا ہوں یہ دل سنتا کہاں ہے

کشتی کے مسافر پہ یونہی طاری نہیں خوف
ٹھہرا ہوا پانی کسی خطرے کا نشاں ہے

جو کچھ بھی یہاں ہے ترے ہونے سے ہے ورنہ
منظر میں جو کھلتا ہے وہ منظر میں کہاں ہے

اس راکھ سے اٹھتی ہوئی خوشبو نے بتایا
مرتے ہوئے لوگوں کی کہاں جائے اماں ہے

یہ کارِ سخن کارِ عبث تو نہیں آصفؔ
یہ قافیہ پیمائی نہیں حسنِ بیاں ہے

⭐⭐⭐⭐⭐

درویش مَنوا

لبوں پہ کیا وہ میرے دل میں شہد گھولتا ہے
وہ جادو حسن کا ہے، سر پہ چڑھ کے بولتا ہے

سپاہِ عشق کے لشکر سے ہے وفا میری
چلا کے تیر وہ نیزے پہ سر کو تولتا ہے

جو پیاسا دشتِ محبت میں جان ہارا تھا
فلک کی اوڑھ سے رازِ شکست کھولتا ہے

ہر اک طرف سے امنڈ تے ہوئے اندھیروں میں
ستارہ بن کے چھپی ظلمتیں ٹٹولتا ہے

میں اس کو دل کے خرابے میں ڈھونڈ نے نکلا
وہ دل میں چھپ کے میرے دل کے بھید کھولتا ہے

وہ حسن ساز کی تخلیقِ جاوداں ٹھہرا
میں خاک ٹھہرا مجھے خاک ہی میں رولتا ہے

سکھایا کس نے یہ شعلوں سے کھیلنا مجھ کو
میرے خدا میرے اندر یہ کون بولتا ہے

میں اپنی آگ میں کندن بنا تو ڈرنے لگا
زیاں کے خوف سے درویش منوا ڈولتا ہے

تبسمِ درویش

چمن پہ دام پہ درویش مسکراتا ہے
ہر اک مقام پہ درویش مسکراتا ہے

صراحی بزم میں جب قہقہے اگلتی ہے
سکوت جام پہ درویش مسکراتا ہے

ہزار حشر اٹھا اے تغیر دنیا
تیرے خرام پہ درویش مسکراتا ہے

شفق میں خون شہیداں کا رنگ شامل ہے
فروغ شام پہ درویش مسکراتا ہے

کبھی خدا سے شکایت کبھی گلہ خود سے
مذاق عام پہ درویش مسکراتا ہے

ہوس مشیر ہو جس بادشاہ کی میاں
تو اس غلام پہ درویش مسکراتا ہے

★★★★★

رام کہانی

کوئی میرا امام تھا ہی نہیں
میں کسی کا غلام تھا ہی نہیں

تم کہاں سے یہ بت اٹھا لائے
اس کہانی میں رام تھا ہی نہیں

جس قدر شور آب و گل تھا یہاں
اس قدر اہتمام تھا ہی نہیں

اس لیے سادھ لی تھی چپ میں نے
اس سے بہتر کلام تھا ہی نہیں

ہم نے اس وقت بھی محبت کی
جب محبت کا نام تھا ہی نہیں

تو کہاں راستے میں آ گئی ہے
زندگی تجھ سے کام تھا ہی نہیں

وقت نے لا کھڑا کیا اس جا
جو ہمارا مقام تھا ہی نہیں

اس لیے خاص کر دیا گیا عشق
عام لوگوں کا کام تھا ہی نہیں

★★★★★

جھوٹ بولتے ہیں

میں سچ کہوں پسِ دیوار جھوٹ بولتے ہیں
میرے خلاف میرے یار جھوٹ بولتے ہیں

ملی ہے جب سے انہیں بولنے کی آزادی
تمام شہر کے اخبار جھوٹ بولتے ہیں

میں مر چکا ہوں مجھے کیوں یقیں نہیں آتا
تو کیا یہ میرے عزادار جھوٹ بولتے ہیں

یہ شہرِ عشق بہت جلد اجڑنے والا ہے
دکان دار و خریدار جھوٹ بولتے ہیں

بتا رہی ہے یہ تقریب منبر و محراب
کہ متقی و ریاکار جھوٹ بولتے ہیں

قدم قدم پہ نئی داستاں سناتے لوگ
قدم قدم پہ کئی بار جھوٹ بولتے ہیں

میں سوچتا ہوں کہ دم لیں تو میں انہیں ٹوکوں
مگر یہ لوگ لگاتار جھوٹ بولتے ہیں

ہمارے شہر میں آصفؔ منافقت ہے بہت
مکین کیا در و دیوار جھوٹ بولتے ہیں

عشقِ درویش

گر جائے جو دیوار تو ماتم نہیں کرتے
کرتے ہیں بہت لوگ مگر ہم نہیں کرتے

ہے اپنی طبیعت میں جو خامی تو یہی ہے
ہم عشق تو کرتے ہیں مگر کم نہیں کرتے

نفرت سے تو بہتر ہے کہ رستے ہی جدا ہوں
بے کار گزرگاہوں کو باہم ہم نہیں کرتے

ہر سانس میں دوزخ کی تپش سی ہے مگر ہم
سورج کی طرح آگ کو مدھم نہیں کرتے

آصفؔ کیا علم کہ روتے ہوں تو مر جاتے ہوں
وہ لوگ جو آنکھوں کو کبھی نم نہیں کرتے

★★★★★

عشق کہانی

زندگی کیا یونہی ناشاد کرے گی مجھ کو
یا کسی موڑ پہ آباد کرے گی مجھ کو

یہی دنیا کہ جسے قدر نہیں ہے میری
یہی دنیا کہ بہت یاد کرے گی مجھ کو

میں نے کل رات اسے اپنا بدن سونپ دیا
وہ جو کہتی تھی کہ برباد کرے گی مجھ کو

اس کا دل مثلِ قفس اور وہ صیاد صفت
جانے کب قید سے آزاد کرے گی مجھ کو

مر بھی جاؤں تو عشق کی کہانی آصفؔ
پھر نئے نام سے ایجاد کرے گی مجھ کو

★★★★★

قُل ھُو اللہ ھُو احد

باقی سارے قصے رَد قُل ھُو اللہ ھُو احد
بھول جا ہر مد و شَد قُل ھُو اللہ ھُو احد

ہے قریب شہ رگ سے جو، قلبِ انساں جس کا گھر
جس کی کوئی جا نہ حدّ قُل ھُو اللہ ھُو احد

حمدِ باری کے لیے کیا تخیل کیا حروف
ہیچ ہیں سارے عدَد قُل ھُو اللہ ھُو احد

وہ ہے یکتا وہ صَمَد اُس کا ثانی بھی نہیں
"لَم یَلِدّ اور وَلَم یُلَدّ قُل ھُو اللہ ھُو احد

چاہتا ہے گر سکوں تو بنا اے بے خبر
یہ وظیفہ ہی رَصد قُل ھُو اللہ ھُو احد

گمراہی میں زین پھر پا صراطِ مستقیم
کر طلب اُس سے مدد، قُل ھُو اللہ ھُو احد

آغوشِ جگر

حیرتِ عشق نہیں، شوقِ جنوں گوش نہیں
بے حجابانہ چلے آؤ، مجھے ہوش نہیں

رِند جو مجھ کو سمجھتے ہیں انہیں ہوش نہیں
میں گداساز ہوں، میں گدافرموش نہیں

کہہ گئی کان میں آکر تیرے دامن کی ہوا
صاحبِ ہوش وہی ہے کہ جیسے ہوش نہیں

کبھی ان مدھ بھری آنکھوں سے پیا تھا اک جام
آج تک ہوش نہیں، ہوش نہیں، ہوش نہیں

محوِ تسبیح تو سب ہیں، مگر ادراک کہاں
زندگی خود ہی عبادت ہے، مگر ہوش نہیں

مِل کے جس دن سے گیا کوئی ایک بار جگرؔ
مجھ کو یہ وہم ہے، جیسے میرا آغوش نہیں

★★★★★

زندہ تحریر

رُخ بدلنے سے بھی تصویر کہاں بدلے گی
خود بدلتے نہیں تقدیر کہاں بدلے گی

جب رنگِ حقیقی نہ مِلے خوابوں کو
سر پٹخنے سے بھی تعبیر کہاں بدلے گی

ہر سڑک چھاپ یہاں بن گیا درویش جیسا
ایسے درویش ہوئے تب خدائی کہاں بدلے گی

جب تلک جزبہءِ تعمیر نہ ہوگا دل میں
اس نئ نسل کی تعمیر کہاں بدلے گی

جاہلوں کا جو ریاست میں رہا راج یونہی
جھوٹے وعدوں کی وہ تقریر کہاں بدلے گی

وقت پر جس نے اصلات کی حفاظت ہی نہ کی
بے سکونی کی وہ تاثیر کہاں بدلے گی

ایسی تحریر ہو آصفؔ جو ہو اصلاحی
زندہ رہ جائے گی تحریر کہاں بدلے گی

★★★★★

اندازِ ابراہیم

احساس سے عاری جسموں کا ہے مجمع ان بازاروں میں
تم زندہ لوگوں کو ڈھونڈو اب قبروں میں کہساروں میں

یہ سچ ہے خون کے رشتوں کے وہ پہلے سے انداز کہاں؟
اب کون یہاں پہ مخلص ہے ان ظاہر کے غمخواروں میں

دنیا کی اندھی نگری میں ہے ظالم بھی مظلوم بھی تو
ہر سانس میں پھول کھلاتے ہیں لوگ یہاں انگاروں میں

اے خاک نشینوں اٹھ بیٹھو اور توڑ دو ان زنجیروں کو
اب آگ لگاؤ تختوں میں ان تاجوں میں دستاروں میں

افلاک سے اونچی باتیں ہیں اور سوچیں ہیں مفلوج بہت
بس چیختے ہیں اشعار میں ہم اور زور نہیں تلواروں میں

جو سچ کی خاطر جینا ہے تو سرمد اور منصور بنو
پھر خون چھڑکنا پڑتا ہے یاں موت کے تختہ داروں میں

صد حیف کہ سب کچھ کھو بیٹھے اندازِ ابراہیم گفتارِ نبی
رسولوں سے کچھ تو نسبت کر اعمالوں میں کرداروں میں

مخلوق میں گر تو اشرف ہے اعمال میں کچھ تو احسن کر
پھر سچ کے پھول کھلا آصفؔ تو جھوٹ کے ان گلزاروں میں

مُشکل ہے

جو ہوں فرعون ان کو میں خدا کہہ دوں یہ مشکل ہے
جو ہوں دجال ان کو میں انبیاء کہہ دوں یہ مشکل ہے

مجھے زنجیر پہنا دو، مجھے سولی پہ لٹکا دو
مگر میں رہزنوں کو رہنما کہہ دوں یہ مشکل ہے

قبا پوشی کے پردے میں جو عیاشی کے رسیا ہیں
میں ایسوں کو شیوخ وصُوفیاء کہہ دوں یہ مشکل ہے

کھلی آنکھوں سے جو کچھ دیکھتا ہوں صاف کہتا ہوں
کسی کے ڈر سے ظلمت کو ضیاء کہہ دوں یہ مشکل ہے

جو طوفاں کی خبر سن کر لرزتے ہیں کناروں پر
میں ایسے بزدلوں کو ناخدا کہہ دوں یہ مشکل ہے

یہی اِک بوریا ہے چھین لیں درویش سے بے شک
شہنشاہوں کو ظلّ کبریا کہہ دوں یہ مشکل ہے

خدا مشکل میں خود مشکل کشا ہے اپنے بندوں کا
کسی مشکل میں اُن کو مشکل کشا کہہ دوں یہ مشکل ہے

★★★★★

شہرِ عنایت

ہمسائے میں شیطان بھی رہتا ہے خدا بھی
جنت بھی میسر ہے جہنم کی ہوا بھی

یہ شہر تو لگتا ہے کباڑی کی دکاں ہے
کھوٹا بھی اسی مول میں بکتا ہے کھرا بھی

اس جسم کو بھی چاٹ گئی سانس کی دیمک
میں نے اسے دیکھا تھا کسی وقت ہرا بھی

جیسے کبھی پہلے بھی میں گزرا ہوں یہاں سے
مانوس ہے اس رہ سے مری لغزشِ پا بھی

اس دشت کو پہچان رہی ہیں مری آنکھیں
دیکھا ہوا لگتا ہے یہ ان دیکھا ہوا بھی

تم بھی تو کسی بات پہ راضی نہیں ہوتے
تبدیل نہیں ہوتا مقدر کا لکھا بھی

اب فیصلہ کن موڑ پہ آ پہنچا مرا عشق
دریا بھی ہے موجود یہاں کچا گھڑا بھی

ممکن ہے میں اس بار بھٹک جاؤں سفر میں
اس بار میرے ساتھ ہوا بھی ہے دیا بھی

یہ شہر فرشتوں سے بھرا رہتا ہے آصفؔ
اس شہر پہ اک خاص عنایت ہے سزا بھی

میرے دریا

پرندہ آئینے سے کیا لڑے گا
فریب ذات میں آ کر مرے گا

محبت بھی بڑی لمبی سڑک ہے
برہنہ پاؤں کوئی کتنا چلے گا

ہمارے جاگنے تک دیکھنا تم
ہمارے خواب کا چرچا رہے گا

ہماری خاک سے دنیا بنی تھی
ہماری راکھ سے اب کیا بنے گا

یہ چنگاری بھڑک اٹھے گی اک دن
میاں یہ عشق ہے ہو کر رہے گا

تجھے دنیا کی عادت پڑ گئی ہے
اکیلا رہ گیا تو کیا کرے گا

میں تیرے ساتھ مر سکتا ہوں لیکن
تو میرے ساتھ کیا زندہ رہے گا

ابھی سے سوچ لو خانہ بدوشو
ہماری راہ میں صحرا پڑے گا

سمندر نے روانی سیکھ لی ہے
میرے دریا تمہارا کیا بنے گا

دیکھنے تو دے

آنکھوں میں لے کے یاس مجھے دیکھنے تو دے
کون آ رہا ہے میرے پاس مجھے دیکھنے تو دے

دیکھے گا کون خاک میں جو ہر چھپے ہوئے
اے شہرِ ناشناس مجھے دیکھنے تو دے

یہ کون محو رقص ہے یوں آبلوں کیساتھ
دشت آیا کس کو راس مجھے دیکھنے تو دے

لب کھولتا نہیں نہ سہی آنکھ تو ملا
تو خوش ہے یا اداس مجھے دیکھنے تو دے

لاشوں میں ایک لاش سے اٹھنے لگی ہے کیوں
پھولوں کے جیسی باس مجھے دیکھنے تو دے

میں ڈوب تو رہا ہوں مگر جانبِ کنار
جب تک بندھی ہے آس مجھے دیکھنے تو دے

کیا ھے خمارِ حسن سے بڑھ کر کوئی نشہ
یہ مے ہے یہ گلاس مجھے دیکھنے تو دے

پھر کون رو رہا ہے کنارے فرات کے
ہونٹوں پہ لے کے پیاس مجھے دیکھنے تو دے

یوں تو جہاں شناس آصفؔ ہر ایک ہے
ہے کوئی خود شناس مجھے دیکھنے تو دے

★★★★★

نگاہِ یار

اس نے دیکھا جو مجھے عالم حیرانی میں
گر پڑا ہاتھ سے آئینہ پریشانی میں

آ گئے ہو تو برابر ہی میں خیمہ کر لو
میں تو رہتا ہوں اسی بے سروسامانی میں

اس قدر غور سے مت دیکھ بھنور کی جانب
تو بھی چکرا کے نہ گر جائے کہیں پانی میں

کبھی دیکھا ہی نہیں اس نے پریشاں مجھ کو
میں کہ رہتا ہوں سدا اپنی نگہبانی میں

وہ میرا دوست تھا دشمن تو نہیں تھا آصفؔ
میں نے ہر بات بتا دی اسے نادانی میں

★★★★★

شہرِ پتھر

پتھر کا وہ شہر بھی کیا تھا
شہر کے نیچے شہر بسا تھا

پیڑ بھی پتھر پھول بھی پتھر
پتا پتا پتھر کا تھا

چاند بھی پتھر جھیل بھی پتھر
پانی بھی پتھر لگتا تھا

لوگ بھی سارے پتھر کے تھے
رنگ بھی ان کا پتھر سا تھا

پتھر کا اک سانپ سنہرا
کالے پتھر سے لپٹا تھا

پتھر کی اندھی گلیوں میں
میں تجھے ساتھ لیے پھرتا تھا

گونگی وادی گونج اٹھتی تھی
جب کوئی پتھر گرتا تھا

★★★★★

تصرفِ تصوف

شیخ کے حال پر تأسف ہے
شکل روزی کی اک تصوف ہے

جس کی اوقات ہو تصوف پر
اس کے اس روزگار پر تف ہے

جن کو دعویٰ ہے حق شناسی کا
ان سے بندے کو بھی تعارف ہے

نہ تو عرفاں کے ان میں ہیں انداز
معرفت سے نہ کچھ تشرف ہے

کیسی تعمیل حکم خالق کی
کیسا اسلام صد تأسف ہے

کون سے امر دیں کو کوئی کہے
دین کا دین ہی تصوف ہے

دین احمد سے ہو جو باہر بات
وہی اس عہد میں تصوف ہے

مال جو کچھ ہے بے وقوفوں کا
شیخ کا مال بے تکلف ہے

ہے فرحان یہ تصرف بے جا
اور کوئی نہیں تصرف ہے

★★★★★

ادیبِ طبیعت

ہم کہتے بھی رہتے غریب ہیں ہم
پھر لوگوں کو لگتے عجیب ہیں ہم

درویش سمجھ لیں، ملنگ کہہ لیں
دیوانوں کے بھی اک قریب ہیں ہم

بیماری ہے مل بیٹھنے کی جس کو
ہاں ظرف کے خالص طبیب ہیں ہم

دو چند دنوں کے لیے محبت
کچھ اچھے مقرر خطیب ہیں ہم

اصلاح نہ کر پائیں دوستوں کی
یہ جانتے ہیں بدنصیب ہیں ہم

اپنے نہ کسی کے پرائے ہیں ہم
ہم غیر نہ قاصد رقیب ہیں ہم

اب آصفؔ زرا ٹھیک ہے طبیعت
جزبات کے شاعر ادیب ہیں ہم

★★★★★

لے جاؤ

آرزو اور خواب لے جاؤ
ہر امانت جناب لے جاؤ

ہجر ہم سے سہا نہ جائے گا
ساتھ اپنے عذاب لے جاؤ

کام آئیں گی تجربے کے لیے
زندگی کی کتاب لے جاؤ

آپ سے جو بھی خار کھاتے ہیں
ان کی خاطر گلاب لے جاؤ

ہر اندھیرے میں کام آئے گا
علم کا آفتاب لے جاؤ

آپ کو دے رہے ہیں دل اپنا
اچھا ہے یا خراب لے جاؤ

لے جاؤ

ایک درویش کی ہے یہ کٹیا
آصفؔ تم مزاج نواب لے جاؤ

سب کے ہونٹوں پہ قفل لگ جائے
کوئی ایسا جواب لے جاؤ

لوگ چہروں پہ چہرہ رکھتے ہیں
تم بھی کوئی نقاب لے جاؤ

یہ ادب کی دکان ہے صاحب
جو بھی چاہو خطاب لے جاؤ

دل جگر جان سب تمہارے ہیں
جب بھی چاہو جناب لے جاؤ

عشق کی یہ کتاب لے جاؤ
اس کا ہر ایک باب لے جاؤ

لے جاؤ

کیسے کاٹو گے دن جدائی کے
ساتھ یادرباب لے جاؤ

یاد کے زخم کا ہے یہ مرہم
تم بشر کی تراب لے جاؤ

خوش رکھے آپ کو خدا ہر پل
مفلسی کا ثواب لے جاؤ

کیسے کاٹے ہیں دن جدائی کے
ہر نفس کا حساب لے جاؤ

ننھے منوں کو کھیلنے بھی دو
بوجھ ہے یہ نصاب لے جاؤ

ہر غلط بات بھی سہانہ کرو
ہم سے تھوڑا عتاب لے جاؤ

★★★★★

ہُوا عشق

خود پرستی سے عشق ہو گیا ہے
اپنی ہستی سے عشق ہو گیا ہے

جب سے دیکھا ہے اس فقیر کو
فاقہ مستی سے عشق ہو گیا ہے

ایک درویش کو تیری خاطر
ساری بستی سے عشق ہو گیا ہے

خود تراشا ہے جب سے بت اپنا
بت پرستی سے عشق ہو گیا ہے

آصفؔ یہ فلک زاد کی کہانی ہے
اس کو پستی سے عشق ہو گیا ہے

محوئے رقص

ہم نے پورا زور لگا کر رقص کیا
شرم اتاری سامنے آ کر رقص کیا

دنیا مستوں کو بے علم سمجھتی تھی
ہم نے پھر قرآن سنا کر رقص کیا

جس نے ہم کو روکنا چاہا ناچنے سے
اس کی آنکھ سے آنکھ ملا کر رقص کیا

تال اٹھائی ہم نے دل کی دھڑکن سے
اور سانسوں کا نغمہ گا کر رقص کیا

ایک مقام پہ نور بھی جلنے لگتا ہے
اور وہاں پر خاک نے جا کر رقص کیا

تم نے صرف بدن سے اس کو پوجا ہے
ہم نے روح کو ساتھ ملا کر رقص کیا

صبر کا دامن چھوڑ دیا مٹی نے اور
اپنے چاک کو آپ گھما کر رقص کیا

محوئے رقص

اپنے درد دھوئیں میں سانسیں لی میں نے
اپنے اندر آگ جلا کر رقص کیا

چھوڑ دیا مچھلی کو واپس دریا میں
اور پھر اپنا ہجر منا کر رقص کیا

وہم کو اپنے سامنے لا کر رقص کیا
اسم پہ اک تصویر سجا کر رقص کیا

بلھے کی خاموشی سے حیرت پائی
باھو کی نگری میں جا کر رقص کیا

ہولی کھیلی پیر نظام الدین کے ساتھ
اور خسرو کو ساتھ ملا کر رقص کیا

یار منانے کی خاطر سب ناچے ہیں
میں نے اپنا یار منا کر رقص کیا

بہارِ کفر

اکیلے ہیں وہ اور جھنجھلا رہے ہیں
مری یاد سے جنگ فرما رہے ہیں

یہ کیسی ہوائے ترقی چلی ہے
دیے تو دیے دل بجھے جا رہے ہیں

الٰہی مرے دوست ہوں خیریت سے
یہ کیوں گھر میں پتھر نہیں آ رہے ہیں

بہشت تصور کے جلوے ہیں میں ہوں
جدائی سلامت مزے آ رہے ہیں

قیامت کے آنے میں رندوں کو شک تھا
جو دیکھا تو واعظ چلے آ رہے ہیں

بہاروں میں بھی مے سے پرہیز توبہ
آصف آپ کافر ہوئے جا رہے ہیں

بَدل گئے کتنے

تمام خُون کے رشتے بدل گئے کتنے
زوال آیا تو اپنے بدل گئے کتنے

اب اپنے باپ کو مُنشی پُکارتے ہیں حضور
امیر باپ کے بچے بدل گئے کتنے

بدن تو دُور فقط سر بھی ڈھک نہیں پاتے
جدیدیت میں دوپٹے بدل گئے کتنے

اب اپنا گھر بھی بڑی مشکلوں سے ملتا ہے
یہ آج شہر کے رستے بدل گئے کتنے

وہ آج پہلُو میں بیٹھے ہیں کاٹتے بھی نہیں
چُناؤ آیا تو کتے بدل گئے کتنے

بشر کا نام بھی سُن لیں تو کانپ جاتے ہیں
یہ خُونخوار درندے بدل گئے کتنے

خُدا کے ہوتے ہُوئے بھی خدا بنے ہُوئے ہیں
آصفؔ خاک کے پُتلے بدل گئے کتنے

پیشوائے عقائد

کوئی رسول تو کوئی خدا بنے ہوئے ہیں
یہ خاکی لوگ تھے اور کیا سے کیا بنے ہوئے ہیں

وہ جانتے ہیں دیا میں جلانے والا ہوں
مرے حبیب یونہی سب ہوا بنے ہوئے ہیں

خوشامدی لگے ہیں جوتے صاف کرنے میں
جو خود پرست ہیں وہ خاک پا بنے ہوئے ہیں

زوال اس سے بڑا اور کیا یہاں آئے
کہ اندھے اندھوں کے اب رہنما بنے ہوئے ہیں

جو بادشاہ تھے کل آج وہ بھکاری ہیں
وہ کل جو منگتے تھے حاجت روا بنے ہوئے ہیں

جو اِن کے خول اُتاروں تو بھیڑیے نکلیں
یہ جتنے لوگ یہاں پارسا بنے ہوئے ہیں

جو اس جہاں میں کسی کام کے نہ تھے آصفؔ
وہ گونگے بہروں کے اب پیشوا بنے ہوئے ہیں

★★★★★

قیدِ خودی

کتنے چہرے بدل رہا ہوں میں
پھر بھی اپنی جگہ کھڑا ہوں میں

خواب میں نیند آنے لگتی ہے
نیند میں خواب دیکھتا ہوں میں

کیا ہوا قد نہیں برابر تو
عمر میں آپ سے بڑا ہوں میں

آتے جاتے کا درد سہتا ہوں
آتے جاتے کا آئینہ ہوں میں

اتنی ویرانیاں ہیں کیوں آخر
اپنے کمرے سے لڑ رہا ہوں میں

اب تو بُو آنے لگ گئی ہوگی میاں
جانے کب سے مرا پڑا ہوں میں

★★★★★

آغازِ خودی

سسکتی رت کو مہکتا گلاب کر دوں گا
میں اس بہار میں سب کا حساب کر دوں گا

میں انتظار میں ہوں تو کوئی سوال تو کر
یقین رکھ میں تجھے لاجواب کر دوں گا

ہزار پردوں میں خود کو چھپا کے بیٹھ مگر
تجھے کبھی نہ کبھی بے نقاب کر دوں گا

مجھے بھروسہ ہے اپنے لہو کے قطروں پر
میں نیزے نیزے کو شاخ گلاب کر دوں گا

مجھے یقین کہ محفل کی روشنی ہوں میں
اسے یہ خوف کہ محفل خراب کر دوں گا

مجھے گلاس کے اندر ہی قید رکھ ورنہ
میں سارے شہر کا پانی شراب کر دوں گا

مہاجنوں سے کہو تھوڑا انتظار کریں
شراب خانے سے آ کر حساب کر دوں گا

★★★★★

خود شناسی

جھوٹی قسم کے واسطے قُرآن رہ گیا
بس نام کا ہے آج مسلمان رہ گیا

ہر ایک چیز میں ہے ملاوٹ ہمارا کام
مذہب کہاں ہے اور کہاں ایمان رہ گیا

تبلیغ کرتے پھرتے ہیں سارے جہان کو
جن سے پناہیں مانگتا شیطان رہ گیا

نو عمر کر رہے ہیں دھماکے جو جا بجا
واعظ کا قتلِ عام کو ہذیان رہ گیا

شدّت پسند چین سے مکتب میں گُھس گئے
سویا ہُوا جو گیٹ پہ دربان رہ گیا

مکتب میں پہنچنے سے جو پہلے ہُوا ہے قتل
بستہ بغل میں ہاتھ میں سامان رہ گیا

آصفؔ وہ پا سکا نہ ہدایت کی منزلیں
جو شخص اپنے آپ سے انجان رہ گیا

تنگ نہ کیجئے

ہم صاحبِ انا ہیں، ہمیں تنگ نہ کیجئے
مغرور، بے وفا ہیں، ہمیں تنگ نہ کیجئے

ہم کون ہیں؟ کہاں ہیں؟ اسے بھول جایئے
جیسے بھی ہیں، جہاں ہیں، ہمیں تنگ نہ کیجئے

بہتر ہے ہم سے دور رہیں صاحبِ کمال
ہم صاحبِ خطا ہیں، ہمیں تنگ نہ کیجئے

بہتر ہے فاصلے سے ہی گزرا کریں جناب
مفلس ہیں ہم، گدا ہیں، ہمیں تنگ نہ کیجئے

ہم آپ کے ہیں کون؟ ہمیں معاف کیجئے
ہم آپ سے جُدا ہیں، ہمیں تنگ نہ کیجئے

ہم آپ سے خفا نہیں ہیں، آپ جایئے
خود ہی سے ہم خفا ہیں، ہمیں تنگ نہ کیجئے

ہم ہجر کا وصال ہیں، پت جھڑ کی باس ہیں
ہم نیک بدگماں ہیں، ہمیں تنگ نہ کیجئے

کچھ بھی نہیں بچا ہے آصفؔ اب ہمارے پاس
کچھ لفظ ہم نوا ہیں، ہمیں تنگ نہ کیجئے

★★★★★

کَر آغاز

بستی بستی مقتل بابا
شہر سے اچھا جنگل بابا

چاند میں بیٹھی بڑھیا پوچھے
کیوں ہوئی دنیا پاگل بابا

درویشی میں خاک برابر
سونا ہو یا پیتل بابا

جس کا من دھنوان ہے اس کے
تن کا ٹاٹ بھی مخمل بابا

یار ملے تو سب دن اچھے
کیا جمعہ کیا منگل بابا

جانے کہاں اور کس پر برسے
وقت ہے اڑتا بادل بابا

اپدیشوں میں بیت نہ جائے
جیون ہے کرم استھل بابا

جو کرنا ہے آج ہی کر لے
جانے کون رہے کل بابا

★★★★★

تُف

بھیک منگے سیاسیوں پر تُف
آج اور کل کے حاکموں پر تُف

خیر کی ایک بھی خبر نہ ملی
نیوز پیپر کی سرخیوں پر تُف

مر گئے بھوک سے جہاں معصوم
پیٹ بھرتی رکابیوں پر تُف

روز ہوتی ہیں عزتیں پامال
رال ٹپکاتے بھیڑیوں پر تُف

پیار پھیلاتے کافروں کی خیر
ظلم کرتے نمازیوں پر تُف

تُف ہے اقبال کی لن ترانی پر
اور اس جیسے شاعروں پر تُف

لعنت

ہوس کی آگ میں جلتے انسان پہ لعنت ہو
نہیں ہے جس میں حیا اُس نظر پہ لعنت ہو

ترے پڑوس میں کتنے غریب بُھوکے مرے
امیرِ شہر ترے مال و زر پہ لعنت ہو

ترس رہے ہیں کئی لوگ جھونپڑی کے لیے
ترے محل ترے شیشے کے گھر پہ لعنت ہو

کہ جس کے در سے سوالی ہی خالی لوٹ آئے
فقط وہ نام کے حاتم کے در پہ لعنت ہو

جہاں غریب کی سُنتا نہ ہو صدا کوئی
منافقوں کے وہ سارے نگر پہ لعنت ہو

جہاں غلامی چلی آ رہی ہو نسلوں سے
تو ایسی زیست پہ ایسی گُزر پہ لعنت ہو

کسی کی بیٹی کی عزت کو جو کچل ڈالے
ہر ایسے شخص کی گندی نظر پہ لعنت ہو

وہ جن کے واسطے انصاف بیچ دے منصف
سبھی حرام کے لعل و گہر پہ لعنت ہو

کہ جس کا کام ہو تکلیف دینا لوگوں کو
فقط وہ نام کے مُسلم انسان پہ لعنت ہو

جو دھوکا دے کے کماتا ہو رزق اے آصفؔ
تو ایسے شخص پہ اُس کے ہُنر پہ لعنت ہو

★★★★★

مذہبِ زکوٰۃ

جنم پاتے ہی حق زیست گنوا دیتے ہیں
یہ مذاہب ہمیں کشکول تھما دیتے ہیں

گڑگڑانے کے لئے رسم دعا دیتے ہیں
اس حقارت کے عوض نام خدا دیتے ہیں

زندگی مثل جہنم پہ صبر کی تلقین
موت کے بعد کی جنت کا پتہ دیتے ہیں

سارے اُمراء کو بنا کر یہ ثوابوں کے امین
ضعف مسکیں کو زکاتوں کی عصا دیتے ہیں

★★★★★

سایاءِ والد

میرے سر پر جو مرے باپ کا سایا ہوتا
آج اپنو نے مجھے یوں نہ رلایا ہوتا

پوچھتا کوئی بھی ناں مجھ سے اداسی کا سبب
میری آنکھوں میں اگر اشک نہ آیا ہوتا

کاش کرتا نہ میں اقرارِ محبت تجھ سے
تیرا چہرا مجھے اے کاش نہ بھایا ہوتا

ہوتا حاکم کو اگر شہر کی غربت کا خیال
ماں نے بچوں کو یوں بھوکا نہ سلایا ہوتا

دردوغم جھیلنے کی مجھ میں جو ہمت ہوتی
ماں کی آنکھوں میں کبھی اشک نہ آیا ہوتا

کوئی تو ہوتا آصفؔ سدا ساتھ جو دیتا
رات کے وقت بھی اے کاش کے سایا ہوتا

★★★★★

یادِ بابا

بچپن کا وہ وقت بھی کیا تھا
وقت بے وقت کا کس کو پتا تھا

پہلی بار میں گھر سے نکلا
اور پھر رہ سے بھٹک گیا تھا

اور اچانک اک رستے پہ
تونے ہاتھ مرا تھاما تھا

موت آئی تھی جیون لینے
دروازے پر کون آیا تھا

میں تو گلی میں کھیل رہا تھا
اور بابا کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا

گھر کے صحن میں لوگ کھڑے تھے
بیچ میں اک لاشہ رکھا تھا

وقت سے آگے وقت کھڑا تھا
وقت کہانی مانگ رہا تھا

ایک کہانی ختم ہوئی تھی
اور اک کو آغاز ملا تھا

تختی قلم دوات نہیں تھے
اور اسکول کو بھی جانا تھا

ماں کمرے میں رونے لگی تھی
اور میں آنکھیں پونچھ رہا تھا

★★★★★

میں نے دیکھا

دولت کی نمائش کرنے والوں کو
مفلسی کی آغوش میں دیکھا

علم کی نمائش کرنے والوں کو
جاھلوں کی مجلس سجاتے دیکھا

طاقت کی نمائش کرنے والوں کو
کمزوروں کی غلامی کرتے دیکھا

عبادت کی نمائش کرنے والوں کو
دین سے منہ موڑتے دیکھا

سخاوت کی نمائش کرنے والوں کو
صدقات کی روٹی پر پلتے دیکھا

لوگوں کے رحم پر پلنے والوں کو
ہمیشہ مفلیسی اور محتاجی میں دیکھا

دین سے دنیا کمانے والوں کو
چہرے سے رونق اڑتے دیکھا

صبر وشکر کرنے والوں کو
دنیا میں باوقار دیکھا

میں نے دیکھا

حسد و کینہ میں جلنے والوں کو
روزی کی تنگدستی میں دیکھا

جھوٹ بولنے والوں کو
ایمان سے دور ہوتے دیکھا

غصے میں رہنے والوں کو
عقل کی محرومی میں دیکھا

لوگوں سے امیدیں رکھنے والوں کو
ناامید اور پریشان دیکھا

لوگوں سے سوال کرنے والوں کو
بے عزتی کے عالم میں دیکھا

سچی توبہ کرنے والوں کو
عبادت میں لذّت لیتے دیکھا

گناہوں میں جینے والوں کو
پریشانی کے دلدل میں دھنستے دیکھا

بندوں کے حقوق جھٹلانے والوں کو
اپنے حق پر روتے دیکھا

میں نے دیکھا

ناجائز کمائی پر پلنے والوں کو
مصیبتوں کے جال میں پھنستے دیکھا

والدین کے فرمابرداروں کو
ترقی کی منزل چھوتے دیکھا

ماں باپ کے نافرمانوں کو
اولاد کے ظلم وستم سہتے دیکھا

اللہ کے حقوق ادا کرنے والوں کو
دنیا سے بے خوف دیکھا

اللہ کے نافرمانوں کو
اپنے ہی سائے سے ڈرتے دیکھا

بندوں کے حقوق ادا کرنے والوں کو
دنیا میں شہرت پاتے دیکھا

استاذ کی خدمت کرنے والوں کو
خدمت گزاروں کے سائے میں دیکھا

بے ہوشی میں جینے والوں کو
جب ہوش میں آئے تو کیا دیکھا

یادِ ماضی

گزری ہوئی رتوں کو بھلانا پڑا مجھے
جلتا ہوا چراغ بجھانا پڑا مجھے

مجھ سے تو اپنا دکھ بھی بتایا نہ جا سکا
پھر یوں ہوا کہ شعر سنانا پڑا مجھے

سچ بولنے لگا تھا مجھے چپ کرا دیا
اور پھر بڑوں پہ ہاتھ اٹھانا پڑا مجھے

چہرے بدل بدل کے ملا دوستو سے میں
ہر بار اپنا آپ چھپانا پڑا مجھے

تیرے بغیر عمر گزاری نہ جا سکی
بس کیا کہوں کہ وقت بِتانا پڑا مجھے

★★★★★

معذرت

خود پسندی کی یہ انتہا معذرت
انتہا معذرت باخدا معذرت

کیا کہا؟ پھر کہو! میں عشق کروں؟
معذرت معذرت دوستا معذرت

اس کہانی کے آخر میں کچھ بھی نہ تھا
ابتداء میں بھی لکھا گیا معذرت

تیرے نقشِ قدم پر چلونگا نہیں
اے جہاں معذرت رہنما معذرت

میں ترے واسطے کچھ تو کرتا مگر
مجھ سے کچھ بھی نہیں ہوسکا معذرت

اس نے جاتے ہوئے کچھ تو کہنا ہی تھا
اس نے جاتے ہوئے کہہ دیا معذرت

خلوصِ دُھوکا

جانی! ساری عمر ہی خود مختاری کی
میں نے عشق کے نام پہ وقت گزاری کی

باقی باتیں چھوڑو جیون داری کی
ایک کہانی سُن لو ایک مداری کی

میں بھی اک دن بڑوں کی بزم میں بیٹھونگا
میں بھی بات کرونگا دنیا داری کی

گاؤں میں اسکول نہیں تھا پڑھ نہ سکی
اس لڑکی نے صرف کشیدہ کاری کی

اس کو اپنے آپ پہ زعم نہ تھا لیکن
پھر بھی عزت لُٹ گئی ایک پجاری کی

دشمن میری کمزوری سے واقف تھا
مجھ سے میرے اپنوں نے غدّاری کی

★★★★★

غلامیِ خُبث

سکونِ زیست کا خُوب انتظام کر ڈالا
حلال رِزق میں شامل حرام کر ڈالا

نہ سوچا سمجھا کہ بدکار ہے یا عابد ہے
وہ جس کی داڑھی تھی ہم نے امام کر ڈالا

چُھپا دیا سبھی عیبوں کو آج دولت نے
کہ زانی شخص نے بھی اُونچا نام کر ڈالا

جو ڈُھونڈنے سے بھی مقتُول کا عدُو نہ ملے
تو جان لینا عزیزوں نے کام کر ڈالا

اجیر ہوں مجھے کوئی خبر نہیں ہوتی
کہ کب کہاں مجھے کس نے غلام کر ڈالا

وہ جس کی شکل کبھی دیکھنا گوارہ نہ تھی
آصفؔ ضرورتوں نے اُسے بھی سلام کر ڈالا

★★★★★

غمِ خواہش

میرا غم ساری کائنات کا غم
میں نہیں جانتا نجات کا غم

جن کی خاطر یہ عمر گزری ہے
ان کو ہوتا ہے بات بات کا غم

میں تو ہارا ہوں جیت کر تم کو
کیا مٹے گا کبھی یہ مات کا غم

اب تو ہوں میں مشین کا پرزہ
ہے کہاں مجھ کو اپنی ذات کا غم

خواہشوں کے غلام ہیں ہم سب
پھر بھی ہم کو ہے خواہشات کا غم

★★★★★

حقیقتِ انساں

اس طرح بھی اِنہیں نقصان ہُوئے جاتے ہیں
دُورالکتاب سے انساں ہُوئے جاتے ہیں

آج وہ دور ہے جو شخص بھی سچ بولتا ہے
اُس کے حصے سبھی بُہتان ہُوئے جاتے ہیں

جن کو عیاشی سے فرصت ہی نہیں مل پاتی
گُونگی خلقت کے وہ سُلطان ہُوئے جاتے ہیں

جن کا ایمان فروشی میں کوئی ثانی نہیں
گھر کی دہلیز پہ دربان ہُوئے جاتے ہیں

شاید اب مجھ پہ زوال آنے کے دن آئے ہیں
دوست جتنے تھے سب انجان ہُوئے جاتے ہیں

فُرصتوں میں مَیں فقط خود کو پڑھتا ہُوں
کام سارے میرے آسان ہُوئے جاتے ہیں

اِتنے وحشی تو درندے بھی نہیں تھے آصفؔ
جتنے اِس دور کے انسان ہُوئے جاتے ہیں

★★★★★

ہوں میں کیا؟

مخلوق ہوں یا خالق مخلوق نما ہوں
معلوم نہیں مجھ کو کہ میں کون ہوں کیا ہوں

ہوں شاہد تنزیہہ کے رخسار کا پردہ
یا خود ہی مشاہد ہوں کہ پردے میں چھپا ہوں

ہے مجھ سے گریبان گل صبح معطر
میں عطر نسیم چمن و باد صبا ہوں

گوش شنوا ہو تو میرے رمز کو سمجھے
حق یہ ہے کہ میں ساز حقیقت کی نوا ہوں

ہستی کو میری ہستیٔ عالم نہ سمجھنا
ہوں ہست تو پر ہستیٔ عالم سے جدا ہوں

ہوں سینۂ عشاق میں سوز جگر و دل
اور دیدۂ معشوقاں میں کیا ناز و ادا ہوں

یہ کیا ہے کہ مجھ پر مرا عقدہ نہیں کھلتا
ہر چند کہ خود عقدہ و خود عقدہ کشا ہوں

اے آصف آثار ہیں میری جلوہ گری میں
ہر رنگ میں میں مظہر آثار خدا ہوں

★★★★★

میرا جرم

بھول کر بھی مسکرانا جرم ہے
اس جہاں میں دل لگانا جرم ہے

باعثِ الزام ہے مردانگی
حق کی خاطر سر اٹھانا جرم ہے

کہہ رہی ہیں جاں گسا تاریکیاں
دیپ بن کر تن جلانا جرم ہے

روح میں ہے مدتوں کی تشنگی
تشنگی لیکن بجھانا جرم ہے

چار سو پھیلی ہوئی ہیں نفرتیں
الفتوں کے گیت گانا جرم ہے

دوستی ہے اک صراطِ مستقل
راستے میں ٹھہر جانا جرم ہے

میرا جرم

موجزن پاتا ہوں دل میں حسرتیں
حسرتوں کو لب پہ لانا جرم ہے

گردشِ حالات بن کر رہ گئے
موسموں سے دوستانہ جرم ہے

پھر وہاں کیوں جام کی خوشخبریاں
گر یہاں پینا پلانا جرم ہے

انتہائے صبر بھی ہے اک خطا
ظالموں پر رحم کھانا جرم ہے

جھک گئی ہو ایک در پر جب جبیں
ہر قدم پر آستانہ جرم ہے

⭐⭐⭐⭐⭐

میرا خدا

اس بت کو نہیں ہے ڈر خدا سے
بگڑی بندے سے گر خدا سے

گو خلق بھی جانے حال میرا
پوشیدہ نہیں مگر خدا سے

ہے ہم سے تو آہ آہ کرنا
دینا اس کو اثر خدا سے

ہم نے اسے اپنا سود جانا
پہنچا بھی اگر ضرر خدا سے

دیکھا ہے میں جب سے وہ بت شوخ
پھر گئی ہے میری نظر خدا سے

میرا خدا

بازیچے میں ہے ادھر وہ مشغول
اور بن رہی ہے ادھر خدا سے

کچھ خوب نہیں یہ خودنمائی
ہاں اے بت شوخ ڈر خدا سے

ہے بیر خدائی اور خودی میں
اتنی بھی خودی نہ کر خدا سے

یہ سارے خداشناس ہیں لیک
دیتا نہیں کوئی خبر خدا سے

اے آصف کچھ کمی نہیں وہاں
جو چاہے سو مانگ پر خدا سے

حق ہمارا

ہم محنت کش جگ والوں سے جب اپنا حصہ مانگیں گے
اک کھیت نہیں اک دیس نہیں ہم ساری دنیا مانگیں گے

یاں ساگر ساگر موتی ہیں یاں پربت پربت ہیرے ہیں
یہ سارا مال ہمارا ہے ہم سارا خزانہ مانگیں گے

جو خون بہا جو باغ اجڑے جو گیت دلوں میں قتل ہوئے
ہر قطرے کا ہر غنچے کا ہر گیت کا بدلہ مانگیں گے

تماشا کمال

جینا مرنا دونوں محال
عشق بھی ہے کیا جی کا وبال

مال و منال و جاہ و جلال
اپنی نظر میں وہم و خیال

ہم نہ سمجھ پائے اب تک
دنیا کی شطرنجی چال

کچھ تو شہ بھی تمہاری تھی
ورنہ دل کی اور یہ مجال

کس کس سے ہم نبٹیں گے
ایک ہے جان اور سو جنجال

مست کو گرنے دے ساقی
ہاں اس کے شاعر کو سنبھال

نشۂ باتونی

چہرے پہ تھوڑی رکھی ہے
دل میں بیتابی رکھی ہے

اک دو دن سے جینے والو
ہم نے کافی جی رکھی ہے

دل کے شجر نے کس محنت سے
اک اک شاخ ہری رکھی ہے

وصل ہوا پر دل میں تمنا
جیسی تھی ویسی رکھی ہے

غیر کی کیا رکھے گا یہ درباں
ظالم نے کس کی رکھی ہے

ہوس میں کچھ بھی کر سکتے ہو
عشق میں پابندی رکھی ہے

رند کھڑے ہیں منبر منبر
اور واعظ نے پی رکھی ہے

راکھ قلندر کی لے جاؤ
آگ کہاں باقی رکھی ہے

اک تُو باتونی ہے صائم
اوپر سے پی بھی رکھی ہے

★★★★★

مُنکر نکیر لوگ

وہ جو تیرے فقیر ہوتے ہیں
آدمی بے نظیر ہوتے ہیں

تیری محفل میں بیٹھنے والے
کتنے روشن ضمیر ہوتے ہیں

پھول دامن میں چند رکھ لیجئے
راستے میں فقیر ہوتے ہیں

زندگی کے حسین ترکش میں
کتنے بے رحم تیر ہوتے ہیں

وہ پرندے جو آنکھ رکھتے ہیں
سب سے پہلے اسیر ہوتے ہیں

دیکھنے والا اک نہیں ملتا
آنکھ والے کثیر ہوتے ہیں

جن کو دولت حقیر لگتی ہے
اُف! وہ کتنے امیر ہوتے ہیں

جن کو قدرت نے حسن بخشا ہو
قدرتاً کچھ شریر ہوتے ہیں

ہے خوشی بھی عجیب شے لیکن
غم بڑے دلپذیر ہوتے ہیں

اے میاں احتیاط لوگوں سے
لوگ منکر نکیر ہوتے ہیں

★★★★★

بیٹی رحمت

مندر مسجد جانے والو
عورت کا حق کھانے والو

اس بت میں جان نہیں ہے؟
کیا عورت انسان نہیں ہے؟

اس کے ہاتھوں جھولنے والو
احسانوں کو بھولنے والو

اس کی کوئی شان نہیں ہے؟
کیا عورت انسان نہیں ہے؟

بیٹی کو شر جاننے والو
رب سے بیٹا مانگنے والو

اس کا رب رحمان نہیں ہے؟
کیا عورت انسان نہیں ہے؟

★★★★★

اے بہن

تمہارے بن میرا ہر دن
گزر رہا تھا عذاب جیسا

تمہارا چہرہ میری نگاہ میں
کھلا تھا ہر پل کتاب جیسا

کسی سے جب بھی میں بات کرتا
تو تم ہی ہوتیں میری مخاطب

تمہارا ہر ہر لفظ ہوتا
سوال جیسا جواب جیسا

حضور رب جب بھی ہاتھ اٹھے
دعا یہی میرے لب سے نکلی

میرے خدایا میری بہن کو
ہمیشہ رکھنا گلاب جیسا

★★★★★

وجودِ فطرت

لبوں پہ کیا وہ مرے دل میں شہد گھولتا ہے
وہ جادو حسن کا ہے، سر پہ چڑھ کے بولتا ہے

سپاہِ عشق کے لشکر سے ہے وفا میری
چلا کے تیر وہ نیزے پہ سر کو تولتا ہے

جو پیاسا دشتِ محبت میں جان ہارا تھا
فلک کی اوڑھ سے رازِ شکست کھولتا ہے

ہر اک طرف سے امنڈ ھتے ہوئے اندھیروں میں
ستارہ بن کے چھپی ظلمتیں ٹٹولتا ہے

میں اس کو دل کے خرابے میں ڈھونڈ ھنے نکلا
وہ دل میں چھپ کے میرے دل کے بھید کھولتا ہے

وہ حسن ساز کی تخلیقِ جاوداں ٹھہرا
میں خاک ٹھہرا مجھے خاک ہی میں رولتا ہے

سکھایا کس نے یہ شعلوں سے کھیلنا مجھ کو
مرے خدا مرے اندر یہ کون بولتا ہے

میں اپنی آگ میں کندن بنا تو ڈرنے لگا
زیاں کے خوف سے درویش منوا ڈولتا ہے

سائیاں

دیکھ لے، خاک ہے کاسے میں کہ زر ہے سائیں
دستِ دادار بڑا شعبدہ گر ہے سائیں

تو مجھے اس کے خم و پیچ بتاتا کیا ہے
کوئے قاتل تو مری راہ گزر ہے سائیں

یہ جہاں کیا ہے بس اک صفحۂ بے نقش و نگار
اور جو کچھ ہے ترا حسنِ نظر ہے سائیں

شہر و صحرا تو ہیں انسانوں کے رکھے ہوئے نام
گھر وہیں ہے دلِ دیوانہ جدھر ہے سائیں

ہم نے پہلے بھی مآلِ شبِ غم دیکھا ہے
آنکھ اب کے جو کھلے گی تو سحر ہے سائیں

پاؤں کی فکر نہ کر بارِ کم و بیش اتار
اصل زنجیر تو سامانِ سفر ہے سائیں

آگے تقدیر پرندے کی جہاں لے جائے
حدِّ پرواز فقط حوصلہ بھر ہے سائیں

شاعری کون کرامت ہے مگر کیا کیجے
درد ہے دل میں سو لفظوں میں اثر ہے سائیں

عشق میں کہتے ہیں فرہاد نے کاٹا تھا پہاڑ
ہم نے دن کاٹ دیئے یہ بھی ہنر ہے سائیں

★★★★★

حصۂ وجود

عہد حاضر اک مشین اور اس کا کارندہ ہوں میں
ریزہ ریزہ روح میری ہے مگر زندہ ہوں میں

میں ہوں وہ لمحہ جو مٹھی میں سما سکتا نہیں
پل میں ہوں امروز و ماضی پل میں آئندہ ہوں میں

وہ جو مجھ کو پھینک آئے بھیڑیوں کے سامنے
کیا گلہ شکوہ کہ ان سے آپ شرمندہ ہوں میں

میرے لفظوں میں اگر تاب و توانائی نہیں
اے خدا کیوں دہر میں تیرا نمائندہ ہوں میں

میں جو کہتا ہوں سمجھتا ہی نہیں کوئی اسے
جیسے ملبے میں دبی بستی کا باشندہ ہوں میں

میرے چہرے پر منقش اس طرح تاریخ ہے
جیسے اک کہنہ عجائب گھر کا باشندہ ہوں میں

خاک ہوں لیکن سراپا نور ہے میرا وجود
اس زمیں پر چاند سورج کا نمائندہ ہوں میں

اس جہاں میں میں ہی مسجودِ ملائک تھا آصفؔ
اس جہاں میں آج کے انساں سے شرمندہ ہوں میں

★★★★★

زدِ وجود

قدم قدم پہ کسی امتحاں کی زد میں ہے
زمین اب بھی کہیں آسماں کی زد میں ہے

ہر ایک گام الجھتا ہوں اپنے آپ سے میں
وہ تیر ہوں جو خود اپنی کماں کی زد میں ہے

وہ بحر ہوں جو خود اپنے کنارے چاٹتا ہے
وہ لہر ہوں کہ جو سیلِ رواں کی زد میں ہے

میں اپنی ذات پہ اصرار کر رہا ہوں مگر
یقیں کا کھیل مسلسل گماں کی زد میں ہے

میرے وجود کے اندر اترتا جاتا ہے
ہے کوئی زہر جو میری زباں کی زد میں ہے

لگی ہوئی ہے نظر آنے والے منظر پر
مگر یہ دل کہ ابھی رفتگاں کی زد میں ہے

یہی نہیں کہ فقط رزق خواب بند ہوا
گدائے کوئے ہنر بھی سگاں کی زد میں ہے

افق افق جو میرے نور کا غبار اڑا شہزاد
یہ کائنات میرے خاکداں کی زد میں ہے

★★★★★

تکبر

جو آسمان سے خُود کو گِرا سمجھتے ہیں
وہ مُفلسوں کو فقط خاکِ پا سمجھتے ہیں

بُجھا کے رکھ دُوں گا اُن کے ہر ایک سُورج کو
جو مُجھ کو چھوٹا سا کوئی دیا سمجھتے ہیں

جو اپنے چہرے سے مکھی اُڑا نہیں سکتا
یہ اندھے لوگ اُسے بھی خدا سمجھتے ہیں

میں اپنے پیٹ کی خاطر ہُوں شہر سے باہر
وہ بے وقوف مجھے بے وفا سمجھتے ہیں

میں حق کی بات پہ لڑ جاتا ہوں زمانے سے
زمانے والے مجھے سرپھرا سمجھتے ہیں

خُوشامدی ہیں بلا کے یا بے وقوف ہیں لوگ
کہ بے حیا کو بھی یہ باحیا سمجھتے ہیں

وہ کہہ رہے ہیں کہ آصفؔ کو قتل کر دیں گے
نہ جانے خُود کو زمیں دار کیا سمجھتے ہیں

★★★★★

نہ کرو

جس سے نفرت ہو اُسے پاس بٹھایا نہ کرو
اُس کی خاطر کسی محفل کو سجایا نہ کرو

ساقیو ! پی کے جو کہرام مچادے ہر سُو
ایسے کم ظرف شرابی کو پلایا نہ کرو

ہم سدا جان ہتھیلی پہ لیے پھرتے ہیں
ہم کو اِن پالتو کُتوں سے ڈرایا نہ کرو

پیٹھ پیچھے میری غیبت میں لگے رہتے ہو تم
میرے آگے میری تعریفیں سُنایا نہ کرو

آج کیوں میری لحد سے وہ لپٹ کر رو یا
کل جو کہتا تھا میرے سامنے آیا نہ کرو

کیا خبر تم کو کہ کتنی بڑی نعمت ہے یہ نیند
سونے والوں کو بلا وجہ جگایا نہ کرو

نہ کرو

رُوٹھ جانے کے وہ عادی ہی نہ ہو جائیں کہیں
رُوٹھنے والوں کو ہر بار منایا نہ کرو

کبھی شکوہ نہ کرو گے کوئی مغرُور ہُوا
کسی انسان کو پلکوں پہ بٹھایا نہ کرو

اے زمانے تیرے کرتوتوں سے واقف ہوں میں
شکل معصوم میرے آگے بنایا نہ کرو

جس کا ہمسائے کے گھر تک ہی نہ سایہ جائے
پیڑ ایسا کوئی آنگن میں لگایا نہ کرو

ہر طرف بانٹو فقط پیار محبت آصفؔ
کہیں نفرت کا کوئی دیپ جلایا نہ کرو

امتحانِ عشق

آہ بھی نا کر شہباز سولی پہ لٹک جا
یہ وعدہ ءاے یار ہے کوئی قصہ نہیں

آخر کار سولی پر چڑھنے لگا ہے عشق
لوگ اکٹھے ہوئے ہیں سن کے میلوں سے

احساس کی سولی پر لٹکا جاتا ہوں اکثر
میں جبرِ مسلسل کی شکایت نہیں کرتا

میرے حرف جناب سولی تک لے جاتے ہیں
اگر چرا لیئے تو خامخواہ مارے جاؤ گے

تم نے سولی پہ لٹکتے جسے دیکھا ہوگا
وقت آ گیا ہے وہی شخص مسیحا ہوگا

★★★★★

ہوں ابھی زندہ

رسمِ مقتل کو نبھاؤ کہ میں زندہ ہُوں ابھی
اے میرے قاتِلو آؤ کہ میں زندہ ہُوں ابھی

پھر سے مقتل میں نہتا نکل آیا ہوں مَیں
قاتِلو شوق مٹاؤ کہ میں زندہ ہُوں ابھی

جب تلک خُون کا قطرہ بھی مرے جسم میں ہے
تیغ پر تیغ چلاؤ کہ میں زندہ ہُوں ابھی

اے شبِ قتل زوال آنے نہ پائے تُجھ کو
مُجھ کو سینے سے لگاؤ کہ میں زندہ ہُوں ابھی

زخم لگنے سے کوئی مَر تو نہیں جاتا ہے
ابھی خنجر کو چلاؤ کہ میں زندہ ہُوں ابھی

تُم نہ رُکنا کہ میرے ضبط پہ حرف آئے گا
خنجرو چلتے ہی جاؤ کہ میں زندہ ہُوں ابھی

اے میرے دوستو پھر سے کوئی گٹھ جوڑ کرو
سازشیں پھر سے رچاؤ کہ میں زندہ ہُوں ابھی

نہ میں یُوسف ہُوں نہ بھائی میرے یُوسف جیسے
میرے بھائیوں کو بُلاؤ کہ میں زندہ ہُوں ابھی

میرے اجداد کو جا کر کوئی کہہ دے سحر
صفِ ماتم نہ بچھاؤ کہ میں زندہ ہُوں ابھی

★★★★★

گریبان

ایک دوجے کی برائی میں لگے رہتے ہیں
لوگ یوں اپنی صفائی میں لگے رہتے ہیں

حاکمِ وقت کو عیاشی سے فرصت ہی نہیں
بھوک سے لوگ دہائی میں لگے رہتے ہیں

عورتیں دیکھ نہیں سکتیں اکٹھا ان کو
یوں سگے بھائی لڑائی میں لگے رہتے ہیں

کیوں خزانہ نہیں ملتا انہی مزدوروں کو
جو زمینوں کی کھدائی میں لگے رہتے ہیں

کیوں سخنور نہیں لکھتے کسی بسمل کی صدا
کیوں فقط زلف کشائی میں لگے رہتے ہیں

کسی مذہب سے ہوں جنت کے وہی ہیں حقدار
وہ جو لوگوں کی بھلائی میں لگے رہتے ہیں

کبھی اپنے بھی گریباں میں وہ جھانکیں آصفؔ
جو میری ہرزہ سرائی میں لگے رہتے ہیں

★★★★★

اے آفتاب

اصل حالت کا بیاں ظاہر کے سانچوں میں نہیں
بات جو دل میں ہے میرے میرے لفظوں میں نہیں

اک زمانہ تھا کہ اک دنیا میرے ہم راہ تھی
اور اب دیکھوں تو رستہ بھی نگاہوں میں نہیں

کوئی آسیب بلا ہے شہر پر چھایا ہوا
بوئے آدم زاد تک خالی مکانوں میں نہیں

رفتہ رفتہ سب ہماری راہ پر آتے گئے
بات ہے جو ہم بروں میں اچھے اچھوں میں نہیں

اپنے ہی دم سے چراغاں ہے وگرنہ آفتابؔ
اک ستارہ بھی میری ویران شاموں میں نہیں

★★★★★

لگتا ہے ڈر

کیسی وحشت ہے کہ انسان سے ڈر لگتا ہے
کیوں مسلماں کو مسلمان سے ڈر لگتا ہے

کتنے بچوں کو اِنہی لوگوں نے گمراہ کیا
نِت نئی دین کی دوکان سے ڈر لگتا ہے

تیرا مذہب ہے سدا خُون خرابا کرنا
دورِ حاضر تیرے ایمان سے ڈر لگتا ہے

شر پسندوں کا وہ ساتھی نہ نکل آئے کہیں
گھر میں آتے ہُوئے مہمان سے ڈر لگتا ہے

کیا خبر کون کہاں جا کے دھما کہ کر دے
ہر نئے شخص ہر انجان سے ڈر لگتا ہے

آج کیوں مُنہ کو چھپاتے ہیں وہ بشر سے
کل جو کہتے تھے کہ حیوان سے ڈر لگتا ہے

لگتا ہے ڈر

بنتِ حوا ہے کہ اب گھر میں بھی سہمی ہُوئی ہے
اِنس کے رُوپ میں شیطان سے ڈر لگتا ہے

کل بہت خُوش تھا جو دولت کو اکٹھا کرتے
آج اُسے اپنے ہی دربان سے ڈر لگتا ہے

عیب اوروں کے اُسے خُوب نظر آتے ہیں
جس کو خُود اپنے گریبان سے ڈر لگتا ہے

اِس لیے بھی میں قبا چاک لِیے پھرتا ہوں
سر پہ لگتے ہُوئے تاوان سے ڈر لگتا ہے

بُھوک مر جاؤں کوئی بات نہیں ہے آصفؔ
حاکمِ شہر کے احسان سے ڈر لگتا ہے

سانپِ آستین

وہ تھا یار میرا پر مُنافقین میں تھا
جو مُدتوں سے چُھپا میری آستین میں تھا

کوئی بھی رات کو شب خُوں نہ مار دے آ کر
یہ وسوسہ میری بستی کے ہر مکین میں تھا

میں صرف مذہبِ انسانیت کا قائل تھا
یُوں مسلمین کی نظروں میں مشرکین میں تھا

وہ میرے ہاتھ سے اب جام چھین لیتا ہے
ہماری بزم میں کل تک جو سامعین میں تھا

میں دوستی میں بڑا بد نصیب نکلا ہُوں
کہ دوست جو بھی ملا میرے حاسدین میں تھا

اُسی کے سینے میں برچھی اُتر گئی ہائے
جو ایک ننھا سا بچہ مجاہدین میں تھا

بحشت پہنچ کے آصفؔ بہت اُداس ہیں ہم
یہاں وہ لُطف نہیں ہے کہ جو زمین میں تھا

★★★★★

بہروپیے

اُوپر سے تو گورے گورے پر اندر سے کالے لوگ
خُوب مُنافق ہوتے ہیں یہ ہنس کر ملنے والے لوگ

صبح ہُوئی تو مانگتے دیکھا روشنیوں کی بھیک اُنہیں
بانٹ رہے تھے یارو جو کل ساری رات اُجالے لوگ

میری اپنی جیب کٹی تو مجھ کو یہ معلوم ہوا
کیوں بن جاتے ہیں اکثر معصوم سے بھولے بھالے لوگ

کوئی تو مجھ کو بتلائے حرص ہے یا یہ غربت ہے
چھین رہے ہیں اِک دُوجے کے ہاتھ سے آج نوالے لوگ

ظُلم کا سورج کب ڈُوبے گا کہ ہر روز ہی ملتے ہیں
خُون میں لت پت کوڑے کرکٹ کی ڈھیری پہ ڈالے

یُوں بھی قتل پہ قتل یہاں پر ہوتے رہتے ہیں دن رات
دیکھ کے ظُلم لگا لیتے ہیں لب پر چُپ کے تالے لوگ

اِن کی چکنی چُپڑی باتوں میں تم بالکل مت آنا
جب بھی آصفؔ سامنے آئیں چاند سے چہروں والے لوگ

★★★★★

آتشِ دل

میں اب کی بار کوئی ایسا کام کر دُوں گا
کہ حاسدین کی نیندیں حرام کر دُوں گا

دوبارہ پھر کہیں بَک بَک نہ کر سکیں گے وہ
مُنافقین کے مُنہ میں لگام کر دُوں گا

اگر اے شاہو بغاوت پہ میں اُتر آیا
تو تخت و تاج کا قِصّہ تمام کر دُوں گا

اے شہر والو دِیے مُجھ سے چھینو مت ورنہ
میں شہر بھر میں اندھیرے دوام کر دُوں گا

نہ میں خُدا ہُوں نہ مُرسل مگر زمیں والے
سبھی خُداؤں کو اپنا غلام کر دُوں گا

مجھے نہ طیش دلاؤ میں وہ قلندر ہوں
کہ پتھروں کو بھی میں با کلام کر دُوں گا

اِس ایک جُرم میں مَیں مارا جاؤُں گا لیکن
زمانے بھر میں محبت کو عام کر دُوں گا

میں قیدِ مذہب و مسلک سے بس نکل آؤں
تو جو بھی سامنے آیا سلام کر دُوں گا

مجھے خبر ہے کہ آصفؔ بس ایک سچ کہہ کر
میں اپنے قتل کا خود انتظام کر دوں گا

★★★★★

دیس مسلمانوں کا

یہ دیس مسلمانوں کا ہے یہاں بچے مارے جاتے ہیں
یہاں مفلس موت کے کنویں میں دن رات اتارے جاتے ہیں

یہ دیس مسلمانوں کا ہے یہاں قاتل کی پہچان نہیں
کوئی بچہ ہو یا بوڑھا ہو محفوظ یہاں انسان نہیں

یہ دیس مسلمانوں کا ہے یہاں اکو، چور لٹیرے ہیں
ہر شہر پہ قابض آج تلک کئی نام نہاد وڈیرے ہیں

یہ دیس مسلمانوں کا ہے یہاں بستی بستی بکتی ہے
ہر چیز یہاں پر مہنگی ہے پر عزت سستی بکتی ہے

یہ دیس مسلمانوں کا ہے کوئی کام نرالہ ہے ہی نہیں
یہاں مارو مار دیے جاؤ کوئی پوچھنے والا ہے ہی نہیں

یہ دیس مسلمانوں کا ہے یہاں راج ہے ظالم جابر کا
یہاں مال بھی لوٹا جاتا ہے ہر راہ پہ روز مسافر کا

دیس مسلمانوں کا

یہ دیس مسلمانوں کا ہے زردار بچا جاتے ہیں
بے جرم ہیں جتنے مفلس بھی سولی پہ چڑھائے جاتے ہیں

یہ دیس مسلمانوں کا ہے کوئی سنتا نہیں فریاد یہاں
فرعون صفت، نمرود صفت کئی رہتے ہیں جلاد یہاں

یہ دیس مسلمانوں کا ہے یہاں روز دھماکے ہوتے ہیں
یہاں مفلس روتے رہتے ہیں زردار تو چین سے سوتے ہیں

یہ دیس مسلمانوں کا ہے قانون یہاں پر بہرہ ہے
ہر شہر کے ہر چوراہے پر کسی دہشت گرد کا پہرہ ہے

یہ دیس مسلمانوں کا ہے نیا نت طوفان آ گرتا ہے
یہاں جان ہتھیلی پر لے کر ہر اک بشر ہی پھرتا ہے

یہ دیس مسلمانوں کا ہے کسی کافر کا کیا کام یہاں
چل آصفؔ دیس ہی چھوڑ چلیں ہو جائیں گے بدنام یہاں

★★★★★

فقیر لوگ ہم

فقیر لوگ ہیں سب کو فقیر جانتے ہیں
کوئی غریب بھی ہو تو امیر جانتے ہیں

میرے لباس میں پیوند ہیں میری محنت کے
امیر لوگ مجھے یُوں حقیر جانتے ہیں

تمام عُمر ہمیں ٹھوکریں ہی کھانی ہیں
لکھا نصیب کا اتنا اجیر جانتے ہیں

نہ جانے کتنے ہی انسان بُھوکے سوتے ہیں
یہ بادشاہ نہ جانے وزیر جانتے ہیں

ہماری شہر میں پہچان اتنی کافی ہے
کہ لوگ شہر میں کچھ باضمیر جانتے ہیں

فقیر لوگ ہم

بغاوتوں کا علم لے کے کون اُبھرا ہے
یہ بادشاہ کے سارے سفیر جانتے ہیں

وہ بے خیالی میں کوئی اشارہ کرتے ہیں
ہم اہلِ ہجر و فا کی لکیر جانتے ہیں

تُو کتنے لوگوں کا حق آج کھائے بیٹھا ہے
اے حکمران یہ مُنکر نکیر جانتے ہیں

وہ جس نے ڈُوبے سفینے نکالے پانی سے
زمانے والے اُسے دستگیر جانتے ہیں

ہمارے ووٹ سے آصفؔ جو حکمران بنے
وہ حکمران ہی ہم کو اسیر جانتے ہیں

★★★★★

غدار حاکم

یہ خُدا جتنے بھی زردار بنے بیٹھے ہیں
سب جہنم کے طلب گار بنے بیٹھے ہیں

بستے گھر لوگوں سے جو چھین لیا کرتے ہیں
شہروں میں ایسے بھی سردار بنے بیٹھے ہیں

کل کے مفرور سبھی آج معزز ٹھہرے
قاتل اب صاحبِ کردار بنے بیٹھے ہیں

کوئی آواز اُٹھاتا نہیں ظالم کے خلاف
لوگ کیوں مٹی کی دیوار بنے بیٹھے ہیں

جانتا ہوں کہ مُجھے قتل کریں گے یہی لوگ
میرے پہلو میں جو غمخوار بنے بیٹھے ہیں

قتلِ عشق میں شامل تھے جو دُشمن کے ساتھ
آج وہ لوگ عزادار بنے بیٹھے ہیں

کون مانے گا اگر میں یہی کہہ دُوں آصفؔ
حکمراں مُلک کے غدار بنے بیٹھے ہیں

★★★★★

تجربۂ عشق

ویسے تو گھر میرا بڑا نہیں ہے
دل بڑا ہے سو مسئلہ نہیں ہے

میں نے اک مشورہ دیا ہے تجھے
اور یہ مشورہ برا نہیں ہے

ایسا پہلے بھی ہو چکا ہے کہیں
یار یہ واقعہ نیا نہیں ہے

یہ شجر کس کی دیکھ بھال میں ہیں
ان میں سے ایک بھی ہرا نہیں ہے

وہ مجھے تولنے لگے ہیں یہاں
میں نے جن کو کبھی گنا نہیں ہے

پھر سے اک بار سوچ لو آصفؔ
وقت ابھی ہاتھ سے گیا نہیں ہے

جب تیرا ذہن بن چکا ہے تو پھر
بات کرنے کا فائدہ نہیں ہے

تجربۂ عشق

میں نے پہلے بھی یہ کہا تھا تجھے
یہ زمانہ تیرا میرا نہیں ہے

بات کرنی پڑی تو کرلوں گا
وہ میرا دوست ہے خدا نہیں ہے

اس کے جانے سے سارے گاؤں میں
اب کوئی خواب دیکھتا نہیں ہے

اس سے بڑھ کر بھی کیا اذیت ہو
پیار سے کوئی بولتا نہیں ہے

بھاگ جا او سنا نہیں تو نے؟
تو ابھی مجھ کو جانتا نہیں ہے

کرتو بیٹھا ہوں عشق میں دوست
ویسے کوئی خاص تجربہ نہیں ہے

درندے

اس طرح بھی اِنہیں نقصان ہُوئے جاتے ہیں
دُور قُرآں سے مسلمان ہُوئے جاتے ہیں

آج وہ دور ہے جو شخص بھی سچ بولتا ہے
اُس کے حصے سبھی بُہتان ہُوئے جاتے ہیں

جن کو عیاشی سے فرصت ہی نہیں مل پاتی
گُونگی خلقت کے وہ سُلطان ہُوئے جاتے ہیں

جن کا ایمان فروشی میں کوئی ثانی نہیں
گھر کی دہلیز پہ دربان ہُوئے جاتے ہیں

شاید اب مجھ پہ زوال آنے کے دن آئے ہیں
دوست جتنے تھے سب انجان ہُوئے جاتے ہیں

فُرصتوں میں مَیں فقط خود کو پڑھتا ہُوں
کام سارے میرے آسان ہُوئے جاتے ہیں

اِتنے وحشی تو درندے بھی نہیں تھے آصفؔ
جتنے اِس دور کے انسان ہُوئے جاتے ہیں

★★★★★

انتباہِ عزیز

وقت کے ہاتھوں میں مجبُور نہ ہو جائیں کہیں
ہم بھی اک دوسرے سے دُور نہ ہو جائیں کہیں

ان یتیموں کو نہ رکھا کرو بُھوکا لوگو
کل بڑے ہو کے یہ مفرُور نہ ہو جائیں کہیں

جب سُنا بھیک بھی بیوپار ہے, ڈر لگنے لگا
بچے سب شہر کے معذُور نہ ہو جائیں کہیں

اے خُداؤ تمہیں جھکنے نہیں آئے گا کوئی
ڈر رکھو لوگ یہ مزدُور نہ جائیں کہیں

جن کو بدنام تُو کرنے پہ تُلا ہے یہ سوچ
ہو کے بدنام وہ مشہُور نہ ہو جائیں کہیں

جھوٹی تعریفوں سے باز آؤ ورنہ اے آفتاب
یہ جو بے شکل ہیں مغرُور نہ ہو جائیں کہیں

★★★★★

ہوں درویش

جتنے مُفلس ہیں ہے ہر ایک کی یاری مجھ سے
دُور رہتے ہیں سبھی زر کے پجاری مجھ سے

جس سے رغبت ہی نہ ہو دوست نہیں کہتا اُسے
اس طرح ہوتی نہیں وقت گزُاری مجھ سے

میلے کپڑوں میں ہُوں لیکن میں گداگر تو نہیں
جانے کیوں جلتے ہیں بستی کے بھکاری مجھ سے

میں درختوں سے پرندوں کو اُڑا دیتا ہوں
دُشمنی رکھتے ہیں یُوں سارے شکاری مجھ سے

مجھ سے تب میری انا کا کوئی سودا کرنا
جب اُٹھائی نہیں جائے گی تغاری مجھ سے

میں تو اوقات سے باہر کبھی نکلا ہی نہیں
کیوں حسد کرنے لگے میرے حواری مجھ سے

سادہ بشر تھا یُوں مارا گیا میں آصفؔ
بھیس بدلے ہُوئے ملتے تھے مداری مجھ سے

★★★★★

ہم نکلے

ہم جو اپنے مکان سے نکلے
تیر ہر سُو کمان سے نکلے

کتنے لوگ اور قتل ہونے ہیں
کچھ تو اب آسمان سے نکلے

یُوں بھڑک اُٹھے لوگ کہ جیسے
شُعلے میرے بیان سے نکلے

کتنے انسانی شکل کے شیطاں
مذہبوں کی دُکان سے نکلے

وہ جو سچ بولتا ہے اُس سے کہو
گھر سے نکلے تو دھیان سے نکلے

بٹ گئے ہیں ہزار فرقوں میں
ایک ہی خاندان سے نکلے

ہم نکلے

مولا بے جرم مارے جائیں گے
ہم جو تیری امان سے نکلے

چاہے مُفلس تھے یا سکندر تھے
ہاتھ خالی جہان سے نکلے

پھُول ہی پھُول تھے جنازے پر
آج ہم کتنی شان سے نکلے

ڈُوب جاتے ہیں غم کے ساگر میں
عشق کے بادبان سے نکلے

یاد آتا ہے تب خُدا آصفؔ
رُوح جب جسم و جان سے نکلے

★★★★★

قربانیاں

چاہے جتنے بھی عدُو آئیں سنبھالے جائیں
آستینوں میں مگر سانپ نہ پالے جائیں

یہی انجام ہے سچ بولنے والوں کا یہاں
بے کفن لاشے کسی کُوڑے پہ ڈالے جائیں

موت کیوں ہم کو اذیت سے بچاتی ہی نہیں
پیتے ہم زہر کے جتنے بھی پیالے جائیں

جانتے ہیں نیا طوفان ہے گرنے والا
ہم اگر ایک مصیبت سے نکالے جائیں

زلزلہ کیوں نہیں آجاتا وہاں پر مولیٰ
جہاں ماں بہن کو اغیار اُٹھالے جائیں

سُولی چڑھنے کو جو مُفلس کئی مِل جاتے ہیں
کیوں نہ زردار کو زردار بچالے جائیں

نعرے لگتے ہیں یہاں ظالم و جابر کے سدا
سیدھے لوگوں کے تو کردار اُچھالے جائیں

اس خُوشی سے کئی مزدُور تو مر جاتے ہیں
وقت کی روٹی اگر گھر کو کمالے جائیں

قتل ہو جانے کی یہ بھی ہے نشانی آصفؔ
ساتھ لشکر میں کئی چاہنے والے جائیں

★★★★★

لاج

ارادہ روز کرتا ہوں، مگر کچھ کر نہیں سکتا
میں پیشہ ور فریبی ہوں، محبت کر نہیں سکتا

بُرے ہو یا کہ اچھے ہو، مجھے اِس سے نہیں مطلب
مجھے مطلب سے مطلب ہے، میں تم سے لڑ نہیں سکتا

یہاں ہر دوسرا انساں خُدا خود کو کہاتا ہے
خُدا بھی وہ کہ جو اپنی ہی جھولی بھر نہیں سکتا

میں تم سے صاف کہتا ہوں، مجھے تم سے نہیں اُلفت
فقط لفظی محبت ہے میں تم پہ مر نہیں سکتا

تمہاری بات سُن لی ہے، بہت دُکھ کی کہانی ہے
سنو تم بعد میں آنا، ابھی کچھ کر نہیں سکتا

محبت کی مسافت نے بہت زخمی کیا مجھ کو
ابھی یہ زخم بھرنے ہیں، میں آہیں بھر نہیں سکتا

صنم تیری محبت نے مجھے نفرت سکھائی ہے
مگر اب اجنبی ہو تم، میں نفرت کر نہیں سکتا

بھلے میں نے نہیں چاہا، مگر تم نے تو چاہا ہے
تمہاری یاد کو دل سے تو باہر کر نہیں سکتا

لاج

نجانے آدمی کیوں آدمی سے خوف کھاتا ہے
جو اپنے رب سے ڈرتا ہو کسی سے ڈر نہیں سکتا

ارے او عشق چل جا کام کر کس کو بلاتا ہے؟
حُسن بازار میں بِکتا ہے سُولی چڑھ نہیں سکتا

یہاں ہر ایک چہرے پر الگ تحریر لکھی ہے
میری آنکھوں میں آنسو ہیں ابھی کچھ پڑھ نہیں سکتا

میں اپنی رات کی زُلفوں میں خود چاندی سجاتا ہوں
میں اس کی مانگ میں وعدوں کے ہیرے جڑ نہیں سکتا

بھلے جھوٹا، منافق ہوں، بہت دھوکے دیے لیکن
میرا ابھی کچھ وقت باقی ہے، زمیں میں گڑھ نہیں سکتا

میں اُس گھر کا مقیم ہوں جسے اوقات کہتے ہیں
میں اپنی حد میں رہتا ہوں سو آگے بڑھ نہیں سکتا

خُدا ہوں نہ ولی ہوں میں، فقط رندِ احمد ہوں میں
میں کچھ بھی دے نہیں سکتا، میں کچھ بھی کر نہیں سکتا

آصف کچھ شعر رہتے ہیں مگر لکھنے نہیں ہرگز
کسی کی لاج رکھنی ہے، سو ظاہر کر نہیں سکتا

★★★★★

تنہائی اور میں

چارہ گر، اے دلِ بے تاب کہاں آتے ہیں
مجھ کو خوش رہنے کے آداب کہاں آتے ہیں

میں تو یک مُشت اُسے سونپ دُوں سب کچھ، لیکن
ایک مُٹّھی میں، میرے خواب کہاں آتے ہیں

مُدّتوں بعد اُسے دیکھ کے، دِل بھر آیا
ورنہ، صحراؤں میں سیلاب کہاں آتے ہیں

میری بے درد نِگاہوں میں، اگر بُھولے سے
نیند آئی بھی تو، اب خواب کہاں آتے ہیں

تنہا رہتا ہُوں میں دِن بھر، بَھری دُنیا میں قتیل
دِن بُرے ہوں، تو پھر احباب کہاں آتے

★★★★★

قرآن اور قَربلا

دیکھا ہم نے کربلا میں قرآن حسینؓ کی جان تھا
بچہ بچہ اُن کا اِس قرآن پہ قربان تھا

پوری روٹی ہم نہیں کھاتے ایک آدھ ٹکڑا کھاتے ہیں
مکمل قرآن کی سمجھ نہیں گیت ہم حسینؓ کے گاتے ہیں

عشقِ حسینؓ کیا یہ سکھاتا ہے قرآن بے سمجھے پڑھ جائیں
دوسری کتابیں غور سے پڑھیں اور غلط عقائد پہ اڑ جائیں

بھائیو! کیا حسینؓ بھی پڑھتے تھے بے سمجھے قرآن کو
آج کوئی بھی نہیں جو جگائے ہمارے سوئے ایمان کو

بند کرکے آنکھیں ننگے پاؤں نہ شیطان کے پیچھے بھاگو
اُٹھو! پڑھو اور سمجھو قرآن اب لمبی نیند سے جاگو

کوئی بھی عقل مند انسان اپنے لئے کانٹے بو نہیں سکتا
مسلمان ہو اور قرآن نہ سمجھے ایسا ہو ہی نہیں سکتا

★★★★★

خوبصورت دھوکہ

جس کے لوٹ آنے کا امکان نہیں ہوسکتا
یار تو دُور وہ مہمان نہیں ہوسکتا

مجھ کو آتا ہی نہیں لوگوں کو کافر کہنا
میں کبھی سچا مسلمان نہیں ہوسکتا

جس کے ہاتھوں پہ نہ ہو خُون کسی بندے کا
آج کے دور میں سلطان نہیں ہوسکتا

جو بِلا وجہ کسی شخص کی جاں لے جائے
آدمی ہوگا وہ حیوان نہیں ہوسکتا

قتل پر قتل یہاں روز کا معمول ہے یار
اب کوئی قتل پہ حیران نہیں ہوسکتا

جس نے ہر طرز کے انسانوں میں اُلفت بانٹی
ایسا انسان پریشان نہیں ہوسکتا

بڑے مظبوط سے رشتے میں بندھے ہیں دونوں
جہاں انساں نہ ہو شیطان نہیں ہوسکتا

تیرے کہنے سے نہ ہوگا کوئی کافر بندے
اور کوئی صاحبِ ایمان نہیں ہوسکتا

میں کسی شخص کا نقصان نہیں کرتا ہوں
میرا آصفؔ کبھی نقصان نہیں ہوسکتا

زخمِ زِندگی

شدتِ تشنگی بڑھا رہے تھے
لوگ صحرا کی سمت جا رہے تھے

زخم کھا کر بھی مسکرا رہے تھے
ہم محبت سے پیش آ رہے تھے

کیا عجب بات ہے کہ میرے ہی دوست
میرا قصہ مجھے سنا رہے تھے

اُس جگہ سانحہ ہوا تھا کیا؟
لوگ تو سیلفیاں بنا رہے تھے

میری بدقسمتی تو دیکھ کہ سب
میرے رونے پہ مسکرا رہے تھے

ایک اسکول تھا جہاں سے لوگ
اپنے بچوں کا دُکھ اُٹھا رہے تھے

زندگی زخم دے رہی تھی ہمیں
اور ہم زندگی بچا رہے تھے

★★★★★

یادِ ماضی

گزری ہوئی رتوں کو بھلانا پڑا مجھے
جلتا ہوا چراغ بجھانا پڑا مجھے

مجھ سے تو اپنا دکھ بھی بتایا نہ جا سکا
پھر یوں ہوا کہ شعر سنانا پڑا مجھے

سچ بولنے لگا تھا مجھے چپ کرا دیا
اور پھر بڑوں پہ ہاتھ اٹھانا پڑا مجھے

چہرے بدل بدل کے ملا دوستو سے میں
ہر بار اپنا آپ چھپانا پڑا مجھے

تیرے بغیر عمر گزاری نہ جا سکی
بس کیا کہوں کہ وقت بِتانا نا پڑا مجھے

تلاشِ رہبر

صد شکر اس نے مجھ سے چھپایا نہیں مجھے
کب آئینے نے عکس دکھایا نہیں مجھے

سو کر اٹھا تو گھر میں فقط ایک میں ہی تھا
جاتے ہوئے کسی نے بتایا نہیں مجھے

اب تک تو تیرا ذکر کہیں بھی نہیں ہوا
اب تک تیرا خیال بھی آیا نہیں مجھے

واعظ بتا رہا تھا غلط راستے پہ ہو
لیکن درست راہ پہ لایا نہیں مجھے

خود ہی چنا تھا میں نے یہی رستۂ زوال
اس نے تو کوئی خواب دکھایا نہیں مجھے

میں اپنا دکھ بیان بھلا کس طرح کروں
بس دوستوں نے ہاتھ ملایا نہیں مجھے

اس نے خدا کا ذکر کیا اور چل دیا
آصفؔ مگر یقین دلایا نہیں مجھے

★★★★★

تلاشِ اِلٰہ

درِ آئینہ کیا ملے گا مجھے
کوئی مجھ سا ہی آ ملے گا مجھے

میں تلاشِ خدا میں نکلوں اگر
مفتیا! کیا خدا ملے گا مجھے؟

یعنی اس کو ملے گی تیز ہوا
اور جلتا دیا ملے گا مجھے

یہ عجب بات ہے کہ میرا ہی عکس
کو بہ کو جا بہ جا ملے گا مجھے

میں بتاؤں گا زندگی کیا ہے
تُو اگر واعظہ ملے گا مجھے

جانے کب اپنا آپ دیکھوں گا
جانے کب آئینہ ملے گا مجھے

★★★★★

حقیقتِ اِلٰہ

میرے وہم وگُمان میں نہیں تھا
تھا خدا پر وہ دھیان میں نہیں تھا

مجھے ورثے میں کچھ نہیں ملا ہے
میرا حصہ مکان میں نہیں تھا

ایک مندر کو آگ لگ گئی تھی
بُت کسی کی امان میں نہیں تھا

تھا ڈرامے میں ہر جگہ موجود
میں مگر داستان میں نہیں تھا

یہ الگ بات کہ بیاں نہ ہوا
ورنہ کیا کچھ زبان میں نہیں تھا

ذکرِ اللہ تھا اذاں میں آصفؔ
لطف لیکن بیان میں نہیں تھا

دردِ ضرورت

جلتے جلتے بجھ گئی اک موم بتی رات کو
مر گئی فاقہ زدہ معصوم بچی رات کو

آندھیوں سے کیا بچاتی پھول کو کانٹوں کی باڑ
صحن میں بکھری ہوئی تھی پتی پتی رات کو

کتنا بوسیدہ دریدہ پیرہن ہے زیبِ تن
وہ جو چرخہ کاٹتی رہتی ہے لڑکی رات کو

صحن میں اک شور سا ہر آنکھ ہے حیرت زدہ
چوڑیاں سب توڑ دیں دلہن نے پہلی رات کو

جب چلی ٹھنڈی ہوا بچہ ٹھٹھر کر رہ گیا
ماں نے اپنے لال کی تختی جلا دی رات کو

وقت تو ہر ایک در پر دستکیں دیتا رہا
ایک ساعت کے لیے جاگی نہ بستی رات کو

یہ حال مرغزار شاعری میں گم رہا آصفؔ
سو گئی رہ دیکھتے بیمار بیوی رات کو

★★★★★

رِدائے حقیر

کھڑا ہے دُھوپ میں کیونکر اجیر کیا جانے
کسی غریب کی حاجت امیر کیا جانے

یہاں پہ کتنے بشر بھوکے پیاسے سوتے ہیں
گلُوں کی سیج پہ سویا وزیر کیا جانے

کسی کے شیش محل میں سکون کتنا ہے
یہ بادشاہوں سے پُوچھو فقیر کیا جانے

یہ مائیں بہنیں تو ہر اک کی سانجھی ہوتی ہیں
ہوس کا مارا کوئی بدضمیر کیا جانے

خدا کے بندوں پہ جو آج ظلم کرتا ہے
ہے اُس کی کتنی المناک اخیر کیا جانے

ہے میری صبح کہاں اور شام ہوگی کہاں
تلاشِ رزق میں بکھرا اجیر کیا جانے

وہ منزلوں پہ کبھی پہنچ پائے گا کہ نہیں
سفر کی دُھن میں مگن راہگیر کیا جانے

ہر ایک شخص کے پاؤں کی دُھول چنتا ہوں
بھلا حقیر کسی کو حقیر کیا جانے

ہیں کس عذاب میں آزاد لوگ اے آصفؔ
قفس کی تیلیاں گنتا اسیر کیا جانے

★★★★★

جامِ صنم

عشقِ صنم تو ایسا کرشمہ دیکھا مجھے
کعبہ کرے سلام وہ کافر بنا مجھے

کیا بتاؤں کفر میں کیا کیا ملا مجھے
آیا نظر بتوں میں جمالِ خدا مجھے

راہِ طلب میں جب بھی قدم ڈگمگائے ہیں
اس شوخ کی نظر نے سہارا دیا مجھے

اے بت کبھی حجابِ حرم سے نکل آ
بے چین کر رہا ہے دلِ مبتلا مجھے

لایا ہے کس مقام پہ اے شوقِ جستجو
اپنی خبر نہ یار کے دَر کا پتہ مجھے

اب کافری میں جلوہ ایمان کی طلب
الفت نے کس مقام پہ پہنچا دیا مجھے

جادو کیا ہے ایسا میرے دل پہ اے صنم
کعبہ بھی لگ رہا ہے تیرا بت کدہ مجھے

میں تو مریض کفرِ محبت ہوں چارہ گر
دے گی سکوں کیا کسی کی دوا مجھے

جب کافری کو مذہبِ الفت بنا لیا
پھر شیخ تیرے دین کی باتوں سے کیا مجھے

ہو کہ فنا صنم کی محبت میں اے فنا
ہر جام پہ ملا ہے پیامِ بقا مجھے

★★★★★

ریائے زاہد

جس دن سے اُٹھ کھڑا ہوں میں زردار کے خلاف
ہر شخص ہو گیا میرے کردار کے خلاف

کب تک یُوں نوچی جائیں گی حوّا کی بیٹیاں
کوئی تو اُٹھے جسم کے بازار کے خلاف

بے غیرت آج تک کوئی دُشمن نہیں ملا
چوکنا صرف رہتا ہوں غدار کے خلاف

سُولی چڑھا دیا گیا ہر اک غریب کو
مُنصف خموش ہو گئے زردار کے خلاف

تلوے جو چاٹے اِن کے وہ اِن کا ہولا ڈلہ
زردار صرف ہوتے ہیں خُودار کے خلاف

زاہد گناہ کرتا ہے مسجد میں بیٹھ کر
فتوے بنائے جاتے ہیں میخوار کے خلاف

کُچھ عیب اُس کی ذات میں آصفؔ ضرور ہے
نعرے لگے ہیں شہر کے سردار کے خلاف

★★★★★

کزاب مُعلِم

سوال جھوٹ جوابوں میں جھوٹ شامل ہے
خطیب تیرے خطابوں میں جھوٹ شامل ہے

پڑھایا جاتا ہے بچوں کو جھوٹ مکتب میں
کہ آج سارے نصابوں میں جھوٹ شامل ہے

ہر ایک شخص کا ہے آج اپنا اپنا دین
عبادتوں میں ثوابوں میں جھوٹ شامل ہے

جدید دور کے شاعر تُو شاعر اچھا ہے پر
تری کتاب کے بابوں میں جھوٹ شامل ہے

حَسین لوگوں کو پُھولوں سے نسبتیں ہیں اگر
چنبیلوں میں گُلابوں میں جھوٹ شامل ہے

مشاہدہ کے بنا میں یقیں نہیں کرتا
مجھے یقیں ہے کتابوں میں جھوٹ شامل ہے

کزاب مُعلِم

حلال کھا کے کوئی ظُلم کر نہیں سکتا
سبھی وڈیروں نوابوں میں جھوٹ شامل ہے

ملا کے کے جھوٹ بڑا احتساب کرتے ہیں
یُوں منصفوں کے حسابوں میں جھوٹ شامل ہے

اے نِت نئے میرے گاؤں میں آنے والے خُدا
تیرے کرم میں عذابوں میں جھوٹ شامل ہے

میں اس لیے بھی شرابوں سے دُور رہتا ہوں
سرور نامی شرابوں میں جھوٹ شامل ہے

جدید دور ہے آصفؔ میاں جدید اُلفت ہے
کہ عاشقوں میں شبابوں میں جھوٹ شامل ہے

صدائے قلب

جھوٹ بولُوں گا تو کردار کو ٹھیس آئے گی
اور سچ بولُوں تو دستار کو ٹھیس آئے گی

رونقِ شہر ہوں میں مار دیا جاؤں تو
شہر کے ہر در و دیوار کو ٹھیس آئے گی

مُفلسو تم مرے الفاظ سنبھالے رکھنا
اِن سے ہر دور کے زردار کو ٹھیس آئے گی

ارے حاکم کسی بیمار کو مت دے تُو دعا
تیرے اس فعل سے بیمار کو ٹھیس آئے گی

تُو مجھے پیڑوں کی چھاؤں میں بٹھا مت پیارے
میں ہوں سُورج سبھی اشجار کو ٹھیس آئے گی

بے وضُو کوئی نہ آئے کبھی میخانے میں
اس طرح سے دلِ میخار کو ٹھیس آئے گی

پُھول کو توڑنے سے پہلے یہ سوچو آصفؔ
اس سے لپٹے ہُوئے ہر خار کو ٹھیس آئے گی

حقِ لعین

محبت کی تجارت پہ میں لعنت بھیجتا ہوں
ہر اک ایسی شرارت پہ میں لعنت بھیجتا ہوں

کسی بشر کا بھا جانا تو ہے حُسنِ نظر پر
ہوس آلُود چاہت پہ میں لعنت بھیجتا ہوں

کسی کے جسم سے گر کھیلنا ہی ہے محبت
تو پھر ایسی محبت پہ میں لعنت بھیجتا ہوں

کسی سائل کے ہاتھوں سے جو کاسہ ہی گرا دے
یُوں لہجے کی تمازت پہ میں لعنت بھیجتا ہوں

نہ مل پائے کسی مظلُوم کو انصاف جس میں
ہر اُس دورِ حکومت پہ میں لعنت بھیجتا ہوں

جہاں انصاف بکتا ہو کسی منصف کے ہوتے
ہر اک ایسی عدالت پہ میں لعنت بھیجتا ہوں

جو سچ کو جھوٹ اور ہر جھوٹ کو سچ کر دکھائے
تو اُس طرزِ صحافت پہ میں لعنت بھیجتا ہوں

حقِ لعین

کسی حق دار کے حق کی وکالت ہے عبادت
مگر جھوٹی وکالت پہ میں لعنت بھیجتا ہوں

اثاثوں میں اضافہ ہی سیاست ہے اگر تو
پھر ایسی ہر سیاست پہ میں لعنت بھیجتا ہوں

غلط جو مشورہ دے ہے امانت میں خیانت
منافق کی نصیحت پہ میں لعنت بھیجتا ہوں

جو سچے دین کو بدنام کرنے پر تُلے ہو
تمہاری قتل و غارت پہ میں لعنت بھیجتا ہوں

میری حق گوئی کی قیمت لگانے والے سُن لے
تیری ہر اک بشارت پہ میں لعنت بھیجتا ہوں

کوئی کافر ہو یا مسلم ہو یا کچھ اور ہو آصفؔ
کسی بشر کی غیبت پہ میں لعنت بھیجتا ہوں

قتل بنامِ دین

کبھی نیزے پر کبھی دار پر کبھی بم دھماکوں میں مر گئے
یہ جو قاتلوں کی زمین تھی کئی لوگ جاں سے گزر گئے

کبھی مسلکوں، کبھی مذہبوں، کبھی دینِ حقّ کے نام پر
کئی بے گناہ سے لوگ تھے جو اجل کے گھاٹ اُتر گئے

کبھی سر کٹے، کبھی دھڑ کٹے، کبھی سینے چھلنی کیے گئے
ہُوئے قتل بچے تو اِس طرح کے درندے سُن کے بھی ڈر گئے

کبھی مسجدوں کبھی مندروں کبھی مکتبوں کی زمین پر
کئی لوگ آئے تھے شوق سے جو گئے تو زندگی دھر گئے

سرِ عام شہر کے چوک پر وہ جو قتل کرتے چلے گئے
کبھی سوچو آئے کدھر سے تھے کبھی سوچو کہ وہ کدھر گئے

جو خلاف ہو گئے ظُلم کے تو گنے پھر اُن کے بھی دن گئے
وہ جنھوں نے حقّ کی بات کی یہاں کاٹے اُن کے بھی سر گئے

میں تو آصفؔ اپنی حیات میں یہ کہوں گا ڈنکے کی چوٹ پہ
یہاں قتل جتنے بھی ہو گئے سبھی حکمرانوں کے سر گئے

★★★★★

فریبی یار

ہر ایک شخص کی پگڑی اُچھالنے والے
ہیں اپنے جسم کو دوزخ میں ڈالنے والے

خود اپنے آپ میں جیسے فرشتے ہوں کوئی
کسی کے عیب و نقائص نکالنے والے

وہی تو جانتے ہیں اصل میں وفا کیا ہے
بشر کو چھوڑ کے کتوں کو پالنے والے

وہ وقت دُور نہیں خود بھکاری ہو جائیں
وہ در پہ آئے سوالی کو ٹالنے والے

جوان نسل کو مذہب سکھاتے پھرتے ہیں
انساں کے روپ میں شیطاں کو ڈھالنے والے

میں اب گرا بھی تو شاید سنبھل نہ پاؤں گا
کہ مر گئے ہیں وہ مجھ کو سنبھالنے والے

زوال آیا تو آصفؔ یہ راز مجھ پہ کُھلا
کہ دوست ہوتے ہیں مطلب نکالنے والے

★★★★★

مثلِ گرگٹ

خول چہروں پہ چڑھائے ہوئے آجاتے ہیں
لوگ کرتُوت چُھپائے ہوئے آجاتے ہیں

گھر سے نکلے کوئی عورت تو ہوس کے پیکر
ہر طرف گھات لگائے ہوئے آجاتے ہیں

جب بھی یاروں کی عنایات کا چرچا ہو تو ہم
زخم سینوں پہ سجائے ہوئے آجاتے ہیں

کام کرنے پہ انہیں موت نظر آتی ہے کیا؟
وہ جو کشکول اٹھائے ہوئے آجاتے ہیں

میری محفل میں میرے نعرے لگاتے ہوئے لوگ
نفرتیں دل میں چُھپائے ہوئے آجاتے ہیں

میں زمانے کا ستایا ہوں میرے در پہ یونہی
سب زمانے کے ستائے ہوئے آجاتے ہیں

روز آصفؔ میری مرقد پہ میرے ہی قاتل
شکل معصوم بنائے ہوئے آجاتے ہیں

★★★★★

سنگسار

نِت نئی سُولی پہ مُفلس کو چڑھا دیتے ہیں لوگ
یہاں گندم بھی غریبوں کی جلا دیتے ہیں لوگ

جُھوٹ جو بولے وہ تمغوں سے نوازا جائے
اور سچ بولنے والے کو سزا دیتے ہیں لوگ

شاید ان پہ بھی یزیدوں کا کوئی سایہ ہے
پیاس لگنے پہ جو پانی بھی چُھپا دیتے ہیں لوگ

آستینوں میں پلے سانپ بکثرت ہیں یہاں
جس کے ٹکڑوں پہ پلیں اُس کو دغا دیتے ہیں لوگ

قتل کر دیتے ہیں اِک شخص کو بے رحمی سے
پھر اُسی شخص کو بخشش کی دعا دیتے ہیں لوگ

اب کے مذہب ہو یا مسلک مجھے ڈر لگتا ہے
ایسے ناموں پہ بشر زِندہ جلا دیتے ہیں لوگ

خیر اندیش نہیں کوئی کسی کا آصفؔ
یہاں جلتے ہوئے شعلوں کو ہوا دیتے ہیں لوگ

★★★★★

منافقت

جُھوٹی افواہیں اُڑانے میں لگے رہتے ہیں
لوگ بس باتیں بنانے میں لگے رہتے ہیں

حاکمِ شہر تجھے قتل کریں گے یہی لوگ
جو تیرے جُوتے اُٹھانے میں لگے رہتے ہیں

پہلے تو لُوٹتے رہتے تھے لُٹیرے اور اب
ایک دُوجے کو بچانے میں لگے رہتے ہیں

دین داری کی سند لے کے کئی لوگ یہاں
نِت نئی لاشیں گِرانے میں لگے رہتے ہیں

میں جو سچ بولتا ہوں یوں بھی زمانے والے
اُنگلیاں مجھ پہ اُٹھانے میں لگے رہتے ہیں

میرے حاسد میرے اشعار پہ کر کے تنقید
حوصلہ میرا بڑھانے میں لگے رہتے ہیں

اُتنا ربّ میری شہرت کو بڑھا دیتا ہے
جِتنا وہ مجھ کو دبانے میں لگے رہتے ہیں

رُوٹھ جانے کی تو عادت ہی بنا لی اُس نے
ہم جسے روز منانے میں لگے رہتے ہیں

دُشمنی میری کسی سے بھی نہیں ہے آصفؔ
کِیل کیوں میرے سرہانے میں لگے رہتے ہیں

حقِ قاتِل

حق کی مت بات کرو مار دیے جاؤ گے
اپنی حد سے نہ بڑھو مار دیے جاؤ گے

لوگ جُھوٹے ہیں یہاں جُھوٹ سُنا جاتا ہے
سچ کسی سے نہ کہو مار دیے جاؤ گے

شوق سے پہنتے ہیں طوقِ غلامی کو یہ لوگ
اِن کی خاطر نہ لڑو مار دیے جاؤ گے

یہاں رہنا ہے تو چُپ چاپ سہو سارے ستم
حق کی آواز نہ دو مار دیے جاؤ گے

یہ وڈیرے سبھی فرعون صفت ہوتے ہیں
اِن کے آگے نہ اُٹھو مار دیے جاؤ گے

یہاں خُودداری بھی اک جرم ہے سُن لو لوگو
سر اُٹھا کر نہ چلو مار دیے جاؤ گے

تُم ہُنر رکھتے ہو آصف تو رکھو اپنے پاس
اتنا چرچا نہ کرو مار دیے جاؤ گے

★★★★★

نگاہِ درد

مذہب عشق میں شجرہ نہیں دیکھا جاتا
ہم پرندوں میں قبیلہ نہیں دیکھا جاتا

لشکر خواب کسی طور اتر آنکھوں میں
رات بھر نیند کا رستہ نہیں دیکھا جاتا

باپ نے تلوار بھی گروی رکھ دی
ہاتھ میں بچوں کے کاسہ نہیں دیکھا جاتا

تم میرے یار ہو کیسے میں ہرا دوں تم کو
مجھ سے دشمن کو بھی پسپا نہیں دیکھا جاتا

اس زمانے کو فقط موت نظر آتی ہے
ڈوبنے والے کا جذبہ نہیں دیکھا جاتا

اے عزیزو! مجھے مٹی کے حوالے کر دو
مجھ سے اب جسم کا ملبہ نہیں دیکھا جاتا

جب سے دریا پہ ہوا پیاس کا قبضہ آصفؔ
لب دریا کوئی پیاسا نہیں دیکھا جاتا

★★★★★

پہچانِ مقابل

نہ جانے کتنے ٹکڑوں میں بٹا ہوں
میں اپنے ہاتھ سے خود گر پڑا ہوں

مقابل ہے میرے سارا زمانہ
میں اپنے ساتھ بس تنہا کھڑا ہوں

مٹانے کو مجھے سب مر رہے ہیں
سو یوں ثابت ہوا، سب سے بڑا ہوں

نہ کوئی ساتھ تھا، نہ ساتھ ہے اب
اکیلا ہوں، اکیلا ہی ڈٹا ہوں

کوئی بتلائے کیا بس میں غلط ہوں
یا بس حق بات پر اک میں اڑا ہوں

بنے گی کیا میری پھر ظلمتوں سے
دِیا تھا بن کے سورج میں جلا ہوں

قیامت کیا ہے مجھ کو نہ بتایہ
میں ایسے حادثوں میں ہی پلا ہوں

ہوا جب زیر میرا ہر مقابل آصفؔ
تو دیکھا سامنے اب خود کھڑا ہوں

بہت مشکل ہے مجھ کو اب اٹھانا
کہ اپنے بوجھ کے نیچے دبا ہوں

★★★★★

رات

کس نے دیا ہے کس کا ساتھ
جانے بھی دو چھوڑو ہاتھ

میں نے دن میں بھی دیکھی
دیواروں پر چسپاں رات

بھیگ گیا میں ڈوب گیا
اک آنسو ایسی برسات

دیکھو اس سے مت کرنا
کوئی ایسی ویسی بات

اب کیوں اس کا نام لیا
لو اب جاگو ساری رات

دنیا سے جھگڑا کیا تھا
دنیا سے بھی کھائی مات

کمرہ ہے اندر سے بند آصفؔ
کمرے میں لیٹی ہے رات

★★★★★

دیکھو

پیار کے بندھن رشتے دیکھو
ہاتھ میں کچے دھاگے دیکھو

دیکھنا ہے غم میرا اگر
ان کو مجھ پر ہنستے دیکھو

انگلیاں چھوتے ہی جل جائیں
پھول کے اندر شعلے دیکھو

ہوتی ہے کیسے رسوائی
ان کی گلی میں جا کے دیکھو

چلے گی تیرے جسم کی ناؤ
دریا کو ساحل سے دیکھو

اب کیوں غرق ہے اشکوں میں
کس نے کہا تھا سپنے دیکھو

آصفؔ رہنا ہے دنیا میں اگر
بس میاں تماشے دیکھو

★★★★★

غم

باندھتے شاعری میں ہوتل کو
کیا کوئی راس آ گیا دل کو

جانتی ہیں کہ اب وداعی ہے
کشتیاں چومتی ہیں ساحل کو

کام سب ہو گئے میرے آساں
کون سمجھے گا میری مشکل کو

پاؤں میں آنکھ تو نہیں پھر بھی
دیکھتے ہیں قدم یہ منزل کو

شام ہے میں ہوں بند کمرہ ہے
ڈھونڈھتے ہیں چراغ محفل کو

غم سے اک عمر کے مراسم ہیں
توڑ دوں کیسے میں سلاسل کو

دیکھ کر رو پڑا میری حالت
کون سا غم ہے میرے قاتل کو

★★★★★

کھری بات

جو ہونٹوں پہ مہرِ خموشی لگا دی
تو مل کر نگاہوں نے تالی بجا دی

کسی کے لیے میں پریشاں نہیں ہوں
رقیبوں نے جانے کہاں کی اڑا دی

احمد اپنی تقدیر سے کھیلتا ہے
مٹائی بنا دی بنائی مٹا دی

ابھی نور و ظلمت میں چلتی رہے گی
نہ وہ اس کے عادی نہ میں اس کا عادی

خبر کارواں کی نہ ہو رہزنوں کو
یہی سوچ کر میں نے مشعل بجھا دی

گلوں نے جب الزام رکھا خزاں پر
تو وہ خار کو دیکھ کر مسکرا دی

توقع نہیں تھی آصفؔ سے ان کو
کھری بات سن کر قیامت اٹھا دی

★★★★★

عشق کے دُکھ

کیا خوب یہ انا ہے کہ کشکول توڑ کر
اب تک کھڑے ہوئے ہیں وہیں ہاتھ جوڑ کر

مر ہی نہ جائے ضبطِ فغاں سے کہیں یہ شہر
سینے سے اس کے آہ نکالو جھنجھوڑ کر

سنت ہے کوئی ہجرتِ ثانی بھلا بتاؤ
جاتا ہے کوئی اپنے مدینے کو چھوڑ کر

اس کے علاوہ کوئی ہمارا نہیں یہاں
جاؤ کوئی خدا کو بُلا لاؤ دوڑ کر

آصفؔ یہ دکھ تو جھیلنے پڑتے ہیں عشق میں
چادر نہ ہو تو سوتے نہیں خاک اوڑھ کر

★★★★★

ہجر کا فر

کہیں پہ ہجر کا فر ہو رہا ہے
کہیں پہ عشق سجدے میں پڑا ہے

کئی رستے اشارہ کر رہے ہیں
مگر وہ ایک راہ پر چل دیا ہے

بڑی مدت سے ٹھہرا ہے یہیں پر
شجر کا سایا بھی اب تھک چکا ہے

کہیں کمرے میں کوئی رو رہا ہے
کہیں کھڑکی سے کوئی جھانکتا ہے

میرے چہرے سے وحشت جھانکتی ہے
میرا قد ہجر سے تھوڑا بڑا ہے

کوئی آواز گھر میں گونجتی ہے
کہیں برتن کسی سے گر گیا ہے

کرنِ اَمن

ٹوٹی میز اور جلی کتابیں رہ جائیں گی
ڈرون گرے گا امن کی باتیں رہ جائیں گی

لڑنے والے روشن صبحیں لے جائیں گے
میری خاطر اندھی شامیں رہ جائیں گی

سچ لکھنے والے سب ہجرت کر جائیں گے
بازاروں میں قلم دواتیں رہ جائیں گی

یوں لگتا ہے رستے میں سب لٹ جائے گا
گھر پہنچوں گا تو کچھ سانسیں رہ جائیں گی

امیدوں پر برف کا موسم آ جائے گا
دیواروں پر دیپ اور آنکھیں رہ جائیں گی

ہم دروازے میں ہی روتے رہ جائیں گے آصفؔ
جانے والوں کی بس باتیں رہ جائیں گی

★★★★★

انتظارِ ہجر

جب بھی شہر کو چھوڑ کے جانا پڑتا ہے
اپنا مَلبہ آپ اُٹھانا پڑتا ہے

اپنی ہی بیڑی میں پتّھر ہوتے ہیں
اور چپُّو بھی آپ چلانا پڑتا ہے

ایک قدم کا فاصلہ کتنا فاصلہ ہے
جس کی راہ میں ایک زمانہ پڑتا ہے

کوئی مصرف رہ نہیں جاتا ایندھن کا
اپنی پوروں سے یہ بجھانا پڑتا ہے

جائے وقُوع پہ کوئی پہنچ نہیں پاتا
افواہوں سے کام چلانا پڑتا ہے

لکھّے ہوئے پہ کوئی عمل نہیں کرتا
لکھّے ہوئے کو خود ہی مٹانا پڑتا ہے

مِلتا ہے ہر موڑ پہ کوئی اپنا سا
مِلنے کی خواہش کو دبانا پڑتا ہے

اور کہیں پر بہتی رہتی ہے ندّی
اور کہیں پر ڈُوبنے جانا پڑتا ہے

روز ہی اُجڑی ہوتی ہے دِل کی بستی
روز ہی اِس بستی کو بسانا پڑتا ہے

انتظارِ ہجر

روز کوئی اُلجھن آ جاتی ہے مابین
روٹھے ہوئے کو روز منانا پڑتا ہے

بدتر سے بھی بدتر ہو جاتا ہے وقت
پھر بھی اِس کا ساتھ نبھانا پڑتا ہے

راہ میں کیا کیا دہلیزیں آ جاتی ہیں
جھکتا نہیں ہے پھر بھی جھکانا پڑتا ہے

اپنی قِسمت آپ بنانی ہوتی ہے
اپنا چکّر آپ چلانا پڑتا ہے

سِینہ سامنے رہتا ہے میرا ہر دم
اَن ہونی کو زور لگانا پڑتا ہے

ابھی ہُوا بس ابھی ہُوا بس تھوڑی دیر
ہر لحظہ دِل کو سمجھانا پڑتا ہے

اُڑنے کو تیّار میری دیواروں پر
اِک پنچھی ہے جِسے لُبھانا پڑتا ہے

میرے اندر گھر ہے میرے گھر کے
راہ میں لیکن ایک زمانہ پڑتا ہے

پتھرِ راہ

غلام کوئی نہیں تھا وہاں نہ ہاری تھے
اگرچہ شاہ تھے مخدوم تھے مزاری تھے

نہیں کہ میں ہی تماشا لگا رہا تھا فقط
وہاں پہ ساتھ میرے اور بھی مداری تھے

میں جنگ ہار کے لوٹا تو مجھ پہ بھید کھلا
جو میرے ساتھ چلے تھے تیرے حواری تھے

نیا پرندہ فضاؤں میں اڑ رہا تھا کوئی
کمانیں کھینچے ہوئے سب کے سب شکاری تھے

یہ تیرے در پہ ہی منظر ان آنکھوں نے دیکھا
جو بادشاہ تھے وہ سب وہاں بھکاری تھے

کسی کے عشق میں وہ لڑکی گھر سے بھاگی نہیں
دو اس کے بھائی تھے اور دونوں ہی جواری تھے

کوئی خیال کی وسعت پہ غور کرتا نہ تھا
سب ایک دوجے کی بس داد کے پجاری تھے

درونِ خانہ مگر بات چیت ہو رہی تھی
بظاہر ان کے سبھی اختلاف جاری تھے

اسی لئے تو میں رستہ بدل گیا آصفؔ
کہ میری راہ کے پتھر بہت ہی بھاری تھے

کشمکش

نہیں جو بنتا بنانے کی بات ہو رہی ہے
کہ پھر سے چاک گھمانے کی بات ہو رہی ہے

میں دیکھ لوں گا انھیں جب گرانے آئیں گے
ابھی تو پیڑ گرانے کی بات ہو رہی ہے

یہ اتنا سادہ نہیں ہے معاملہ میرے دوست
بہت سے لوگ بچانے کی بات ہو رہی ہے

سبھی نے مل کے جسے بستی سے نکالا تھا
اب اس کو ڈھونڈ کے لانے کی بات ہو رہی ہے

میں سوچ میں ہوں کہ ہجرت کروں یا لڑ جاؤں
تمام شہر جلانے کی بات ہو رہی ہے

وہ جن سے حسرتِ تعمیر چھین لی گئی ہو
پھر ان کو خواب دکھانے کی بات ہو رہی ہے

جو اپنے ہاتھ پہ سورج اٹھائے پھرتا ہے
اسے چراغ دکھانے کی بات ہو رہی ہے

پھر ایک پتلی تماشہ لگایا جا رہا ہے
پھر انگلیوں پہ نچانے کی بات ہو رہی ہے

جو بات کرتا ہے سر کو اٹھا کے چلنے کی
اسی کو نیچا دکھانے کی بات ہو رہی ہے

میں اپنا سر نہ جھکاؤں تو کیا کروں میاں
پتہ ہے کس کے گھرانے کی بات ہو رہی ہے

★★★★★

ہوائے دہر

فریق کوئی نہیں تھا مگر اٹھایا گیا
معاملے کو یوں حساس کیوں بنایا گیا

اے ہجر زاد اجازت نہیں ہے تجھ کو ابھی
میں مسکرانے لگا تو مجھے بتایا گیا

ابھی ابھی تو وہاں سے میں لوٹ کر آیا
خدایا خیر مجھے پھر وہاں بلایا گیا

تمام رنگ لہو سے میرے اڑائے گئے
پھر آسمان پہ اک قوس کو سجایا گیا

میں آئینے کی طرف دیکھتا رہا برسوں
ایک ایک نقش میرا مجھ سے ہی چھپایا گیا

یوں رات آنکھ مچولی رہی ہواؤں سے
کبھی چراغ جلایا کبھی بجھایا گیا

ہوائے دہر نے آصفؔ مجھ کو بتلایا
میں جل بجھا تو میری خاک کو اڑایا گیا

★★★★★

صراطِ بشر

یہ کیسا کارِ دنیا ہو رہا ہے
لہو انساں کا سستا ہو رہا ہے

ذرا حالات کیا بدلے ہمارے
جو اپنا تھا پرایا ہو رہا ہے

دلوں کا میل بڑھتا جا رہا ہے
بشر اندر سے کالا ہو رہا ہے

گھٹائیں خشک ہوتی جا رہی ہیں
جو دریا تھا وہ صحرا ہو رہا ہے

یہی ہوتا رہا ہے ہم سے اکثر
ہمارے ساتھ جیسا ہو رہا ہے

قدم پڑنے لگے ہیں سب کے الٹے
ہر اک رستہ ہی ٹیڑھا ہو رہا ہے

آصف کبھی دیکھا ہے تم نے
بشر کتنا اکیلا ہو رہا ہے

★★★★★

ہجرِ بیدار

خون سوکھے ہوئے پتے سے نکل آیا تھا
زخم رستا ہوا کتبے سے نکل آیا تھا

مجھ کو معلوم نہیں اس پہ کیا گزری ہو گی
میں تو روتا ہوا کمرے سے نکل آیا تھا

جب میرے دوست نے دشمن کو خبر دی میری
عین اس وقت میں میلے سے نکل آیا تھا

میں نے کچھ سوچ کے بدلہ ہے مقدر اپنا
ورنہ کانٹا میرے حجرے سے نکل آیا تھا

ہم نے اس شہر سے رکھے تھے مراسم سب سے
دل مگر پیار کے جھگڑے سے نکل آیا تھا

یہ تو میں جان کے کچھ دیر یونہی لیٹا رہا
ورنہ میں خواب کے ملبے سے نکل آیا تھا

بندگی

جیسے کسی کو خواب میں میں ڈھونڈھتا رہا
دلدل میں دھنس گیا تھا مگر بھاگتا رہا

بے چین رات کروٹیں لیتی تھیں بار بار
لگتا ہے میرے ساتھ خدا جاگتا رہا

اپنی اذاں تو کوئی مؤذن نہ سن سکا
کانوں پہ ہاتھ رکھے ہوئے بولتا رہا

ساعت دعا کی آئی تو حسب نصیب میں
خالی ہتھیلیوں کو عبث گھورتا رہا

اس کی نظر کے سنگ سے میں آئینہ مثال
ٹوٹا تو ٹوٹ کر بھی اسے دیکھتا رہا

انساں کسی بھی دور میں مشرک نہ تھا کبھی
پتھر کے نام پر بھی تجھے پوجتا رہا

★★★★★

صلاحِ مومِن

اپنی عقد سے عقل کو آزاد کیجئے
خدارا اپنے آپ کو نا برباد کیجئے

صلاح میں ہی مومن کا راز چپا ہے مومنوں
صلاح سے ہی اس دھرتی کو آباد کیجئے

ملاں جدیدیت کو مانتا ہے مسیحا
ملاں یہی کہتا ہے کے فساد کیجئے

وہ جب متبادل سے ہو گئے جو مستفید
اس نے کہا کے بھائیوں الحاد کیجئے

میری نگاہ شوق سے ہر گل ہے دیوتاؤں مومن
میں عشق کا خدا ہوں مجھے یاد کیجئے

★★★★★

خاموشی میری

کیوں اوکم بخت کھا رہی ہے مجھے
روشنی کیوں جلا رہی ہے مجھے

آ گہی اک خبیث ڈائن ہے
اور کچا چبا رہی ہے مجھے

تیرا ہو خراب خانہ موت
بول کس روز آ رہی ہے مجھے

ورنہ میں چپ کرا دیا جاتا
بے زبانی بچا رہی ہے مجھے

دیکھ اب کے مجھے منانے دے
آج بھی تو منا رہی ہے مجھے

کوئی پوری نہ کر سکا میاں
جو کمی بار بار رہی ہے مجھے

★★★★★

نہیں قائل

بچھڑ کے سوگ منانے کے ہم نہیں قائل
کبھی خُطوط جلانے کے ہم نہیں قائل

گِلے تو کرنا سراسر ہے بُزدلوں کا کام
ہوا میں تیر چلانے کے ہم نہیں قائل

یہی ہیں جو بھی ہیں بس تیرے سامنے ہیں ہم
سُہانے خواب دِکھانے کے ہم نہیں قائل

رکھے جو ہم سے تعلق برابری پہ رکھے
کسی کے ناز اُٹھانے کے ہم نہیں قائل

ہم اپنی مرضی کے مالک ہیں جو بھی چاہیں کریں
اے میرے دوست زمانے کے ہم نہیں قائل

جو ہم مزاج نہ ہو اس کو چھوڑ دیتے ہیں
کسی کو مار گرانے کے ہم نہیں قائل

تلاشِ رِزق میں کھوئے ہوئے ہیں ورنہ دوست
بنا کے دوست بُھلانے کے ہم نہیں قائل

غموں کے عادی ہیں غم میں سکون ملتا ہے
آصفؔ ہنسنے ہنسانے کے ہم نہیں قائل

★★★★★

تعلیم کتابی

آپ کی آنکھ اگر آج گلابی ہو گی
میری سرکار بڑی سخت خرابی ہو گی

محتسب نے ہی پڑھا ہو گا مقالہ پہلے
میری تقریر بہ ہر حال جوابی ہو گی

آنکھ اٹھانے سے بھی پہلے ہی وہ ہوں گے غائب
کیا خبر تھی کہ انہیں اتنی شتابی ہو گی

ہر محبت کو سمجھتا ہے وہ ناول کا ورق
اس پری زاد کی تعلیم کتابی ہو گی

شیخ جی ہم تو جہنم کے پرندے ٹھہرے
آپ کے پاس تو فردوس کی چابی ہو گی

کر دیا موسیٰ کو جس چیز نے بے ہوش آصفؔ
بے نقابی نہیں وہ نیم حجابی ہو گی

★★★★★

وقتِ ماتم

چلو احساس کا ماتم کر لیں
مردہ ضمیروں پر ماتم کر لیں
بے حس انسان پر ماتم کر لیں

منصف کہاں ہیں کسے ملتے ہے
بکتے انصاف کا ماتم کر لیں

درندے بھی اب تو کہنے لگے
چلو انسانیت پر ماتم کر لیں

جو پڑے ہیں ڈیڑھ گز کی مسیتوں میں
اس مسلمان پہ ماتم کر لیں

مسلم کتنے حصوں میں بٹ گیا
فکرِ مومن پہ چل ماتم کر لیں

سچ بھی تھا کبھی حق کی زباں پر
ہے جھوٹ ہر منزل پہ ماتم کر لیں

وقتِ ماتم

وہ کہاں ہیں لزتِ آشنا بزرگ و برتر
بے شناسا پیر و مرشد پہ ماتم کر لیں

رشتے کہیں ہوَس میں کھو گئے
ایسی جنونِ جدت پر ماتم کر لیں

جو کہتے ہیں قیامت کس نے دیکھی
ان کے ایمان پہ ماتم کر لیں

آدمی اور اتنا زہریلا کہ
سانپ بھی کہتے ہیں ماتم کر لیں

ماتم خود ہی اب کہتا ہے
آؤ مجھ پر ماتم کر لیں

اے عبیدِ فکرِ آدم میں جو گھُلتا ہے
کندہ ذہن تجھ پہ نہ ماتم کر لیں

★★★★★

شورِ قیامت

آج تک یہ نہیں بتایا گیا
مجھ کو رستے سے کیوں ہٹایا گیا

آسماں چومنے ہی والا تھا
جب زمیں پر مجھے گرایا گیا

بس اسی بات کا تو ماتم ہے
آج تک سچ کو کیوں چھپایا گیا

ہو رہا تھا گماں قیامت کا
شور کچھ اسطرح مچایا گیا

کیا کوئی غور کر رہا ہے یہاں
کیوں یہ حیرت کدہ بنایا گیا

شدتِ ضرب سے لگا مجھ کو
آخری بار آزمایا گیا

خاموش محفل

گھر سے چیخیں اٹھ رہی تھیں اور میں جاگا نہ تھا
اتنی گہری نیند تو پہلے کبھی سویا نہ تھا

نشۂ آوارگی جب کم ہوا تو یہ کھلا
کوئی بھی رستہ میرے گھر کی طرف جاتا نہ تھا

کیا گلہ اک دوسرے سے بے وفائی کا کریں
ہم نے ہی اک دوسرے کو ٹھیک سے سمجھا نہ تھا

گل نہ تھے جس میں وہ گلشن بھی تھا جنگل کی طرح
گھر وہ قبرستان تھا جس میں کوئی بچہ نہ تھا

آسماں پر تھا خدا تنہا مگر یسین
اس زمیں پر کوئی بھی میری طرح تنہا نہ تھا

مان بابا

اور نہ کھٹکا کر بابا
اپنے آپ سے ڈر بابا

چھوڑ چلا جب گھر بابا
دیکھ نہ اب مڑ کر بابا

سب کچھ تیرے اندر ہے
کچھ بھی نہیں باہر بابا

گھوم نہ یوں کشکول لیے
صبر سے جھولی بھر بابا

یہ جینا کیا جینا ہے
جینا ہے تو مر بابا

ٹھان لیا سو ٹھان لیا
اب کیا اگر مگر بابا

بات آصفؔ کی مان بھی لے
شام ہوئی چل گھر بابا

★★★★★

میرا معبود

ہوا کے سامنے جب بھی دِیا بنا تاہُوں
تو اُس کے دل میں بڑا حوصلہ بنا تاہُوں

یہ تیرا ظرف ہے رازِق تُو مجھ کو مان نہ مان
میں جاندار سے پہلے غِذا بنا تا ہوں

کسی بھی شخص کو جُھکنا مجھے نہیں آتا
میں بُھوک سہتاہُوں لیکن انا بنا تاہُوں

دو گہرے دوست بنا تاہُوں ایک کاغذ پر
پھر اُس پہ دونوں کے رستے جدا بنا تا ہوں

اُداس ہُوں یا ہُوں خُوش لوگ جان جاتے ہیں
میں اپنے شعر میں ایسی فضا بنا تاہُوں

عجب نہیں ہے کہ مُجھ کو وُہ ہی رُلاتا ہے
میں پُوج پُوج کہ جس کو خُدا بنا تاہُوں

تمام لوگ یُوں میرے خلاف ہیں آصفؔ
کہ لوگ مسجدیں میں میکدہ بنا تاہُوں

★★★★★

ایمانِ احمد

مت ہم کو بار بار سِکھا اپنے پاس رکھ
اے بدتمیز شرم و حیا اپنے پاس رکھ

تُو جان جائے گا کہ حیا کس کا نام ہے
دو چار دن بہن کی رِدا اپنے پاس رکھ

ہم پارسا ہیں یا ہیں گُنہگار ہم کو چھوڑ
اے واعظا تُو اپنا خُدا اپنے پاس رکھ

اے حکمران موت تو آنی ہے ایک دن
چاہے تُو جتنے آبِ بقا اپنے پاس رکھ

مانا کہ ہم غریب ہیں محتاج تو نہیں
یہ مال و زر نہ ہم کو دکھا اپنے پاس رکھ

اے دوست سر اُٹھا کے یہاں جینا جُرم ہے
مرنے کا شوق ہے تو انا اپنے پاس رکھ

آصفؔ کسی بھی پیر کے آگے نہ گڑگڑا
تُو صرف وفاداری احمد اپنے پاس رکھ

★★★★★

خوفِ ایماں

نہ جنگلوں نہ بیاباں سے خوف کھایا کر
بشر کے رُوپ میں شیطاں سے خوف کھایا کر

یہ چیخ چیخ کے کہتی ہے لاش زینب کی
درندے بُھول جا انساں سے خوف کھایا کر

خبر نہیں کہ کبھی بھی یزید بن جائے
ہر ایک عہد کے سُلطاں سے خوف کھایا کر

اُٹھائے پھرتا ہے تلوار کی طرح اِس کو
تُو نوجوان کے ایماں سے خوف کھایا کر

اِس ایک جھانسے میں گمراہ ہو گئے کئی لوگ
بس اِن کی حُوروں سے غلماں سے خوف کھایا کر

اُٹھا کے زخم جو دیتے دُعا تھے اور تھے وہ
تُو آج کل کے مُسلماں سے خوف کھایا کر

امیرِ شہر کو آصفؔ یہ درس ہے میرا
غریب چاک گریباں سے خوف کھایا کر

★★★★★

خدائی دعویٰ

پھل ہے اس بت کی آشنائی کا
مجھ کو دعویٰ ہے اب خدائی کا

نہ لڑاؤ نظر رقیبوں سے
کام اچھا نہیں لڑائی کا

آسماں پر نہیں ہلال نمود
نعل ہے تیری زیر پائی کا

گل میں تھی اس قدر کہاں سرخی
عکس ہے پنجۂ حنائی کا

کس ستم گر سے تو نے اے کافر
طرز سیکھا ہے دل ربائی کا

چادر آسمان حاضر ہو
تو جو استر کرے رضائی کا

وقت کیا آ گیا ہے صد افسوس
بھائی دشمن ہوا ہے بھائی کا

گو برہمن پسر وہ قاتل ہے
دل ملا ہے مگر قصائی کا

کچھ میرا ہی نہیں وہ بت معبود
بخدا ہے خدا خدائی کا

آصفؔ کیا اس نے کر دیا جادو
مجھ کو دعویٰ تھا پارسائی کا

گمشدہ پرواز

پرندہ قید میں کل آسمان بھول گیا
رہا تو ہو گیا لیکن اڑان بھول گیا

میرے شکار کو ترکش میں تیر لایا مگر
وہ میری جان کا دشمن کمان بھول گیا

اسے تو یاد ہے سارا جہان میرے سوا
میں اس یاد میں سارا جہان بھول گیا

وہ شخص زندگی بھر کا تھکا ہوا تھا مگر
جو پاؤں قبر میں رکھے تھکان بھول گیا

غریب شہر نے رکھی ہے آبرو ورنہ
امیر شہر تو اردو زبان بھول گیا

تمام شہر کا نقشہ بنانے والا آصفؔ
جنون شوق میں اپنا مکان بھول گیا

★★★★★

فریادِ عشق

جو تمہیں یاد کیا کرتے ہیں
آہ و فریاد کیا کرتے ہیں

کام ان کا ہے شب و روز یہی
ستم ایجاد کیا کرتے ہیں

تیرے مے خانہ کو اے پیر مغاں
ہمیں آباد کیا کرتے ہیں

اپنی وحشت سے تیرے دیوانے
دشت آباد کیا کرتے ہیں

جام مے پی کے شب فرقت میں
دل کو ہم شاد کیا کرتے ہیں

مسئلے شیخ کے جو سنتے ہیں
عمر برباد کیا کرتے ہیں

آصفؔ کوئی سنے یا نہ سنے
ہم تو فریاد کیا کرتے ہیں

★★★★★

یادِ دل

جب خدا کو جہاں بسانا تھا
تجھ کو ایسا نہیں بنانا تھا

میرے گھر تیرا آنا جانا تھا
وہ بھی اے یار کیا زمانہ تھا

پھر گئے آپ میرے کوچے سے
دو قدم پر غریب خانہ تھا

جو نہ سمجھے کہ عاشقی کیا ہے
اس سے بیکار دل لگانا تھا

آئے تھے بخت آزمانے ہم
آپ کو تیغ آزمانا تھا

اے ستم گار قبرِ عاشق پر
چند آنسو تجھے بہانا تھا

تو نے رہنے دیا پسِ دیوار
ورنہ اپنا کہاں ٹھکانا تھا

یادِ دل

اب جہاں پر ہے شیخ کی مسجد
پہلے اس جا شراب خانہ تھا

دخل اہل ریا نہ رکھتے تھے
پاک بازوں کا آنا جانا تھا

بزم میں غیر کو نہ بلواتے
آپ کو جب ہمیں بلانا تھا

وہ چمن اب خزاں رسیدہ ہے
بلبلوں کا جہاں ترانہ تھا

سنتے ہیں وہ شجر بھی سوکھ گیا
جس پہ صیاد آشیانہ تھا

دل نہ دیتے اسے تو کیا کرتے
اے آصفؔ دکھ ہمیں اٹھانا تھا

★★★★★

تھک جاتا ہوں

مستقل ہاتھ ملاتے ہوئے تھک جاتا ہوں
میں نئے دوست بناتے ہوئے تھک جاتا ہوں

ابرآوارہ ہوں میں کوئی سمندر تو نہیں
پیاس صحرا کی بجھاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

مالک کون ومکاں اب تو رہائی دے دے
جسم کا بوجھ اٹھاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

تو میرے راز بتاتے ہوئے تھکتا ہی نہیں
میں تیرے راز چھپاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

میرے قدموں سے لپٹ جاتی ہے ماں کی ممتا
میں کہیں گاؤں سے جاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

جانے کب جا کے مرا عشق مکمل ہوگا آصفؔ
لکھتے ہوئے رقص کرتے ہوئے تھک جاتا ہوں

★★★★★

زخمِ یاد

دل بہلنے کے وسیلے دے گیا وہ
اپنی یادوں کے کھلونے دے گیا وہ

ہم سخن تنہائیوں میں کوئی تو ہو
سونے سونے سے دریچے دے گیا وہ

لے گیا میری خودی میری انا بھی
اے جبینِ شوق سجدے دے گیا وہ

رنج و غم سہنے کی عادت ہو گئی ہے
زندہ رہنے کے سلیقے دے گیا وہ

میری ہمت جانتا تھا اس لیے بھی
ڈوبنے والے سفینے دے گیا وہ

زندگی بھر جوڑتے رہنا ہے ان کو
ٹوٹی زنجیروں سے رشتے دے گیا وہ

زرفشاں ہر لفظ زریں ہر ورق ہے
آصفؔ ایسے کچھ صحیفے دے گیا وہ

★★★★★

دیر تک

وہ رلا کر ہنس نہ پایا دیر تک
جب میں رو کر مسکرایا دیر تک

بھولنا چاہا کبھی اس کو اگر
اور بھی وہ یاد آیا دیر تک

خود بہ خود بے ساختہ میں ہنس پڑا
اس نے اس درجہ رلایا دیر تک

بھوکے بچوں کی تسلی کے لیے
ماں نے پھر پانی پکایا دیر تک

گنگناتا جا رہا تھا اک فقیر
دھوپ رہتی ہے نہ سایا دیر تک

کل اندھیری رات میں میری طرح
ایک جگنو جگمگایا دیر تک

★★★★★

بھاڑ میں جا

تُو دھوکا دیتا رہا بار بار بھاڑ میں جا
اے میرے دوست میرے غمگسار بھاڑ میں جا

نہیں ہے کُچھ بھی میرے پاس اب لُٹانے کو
تُو مُجھ کو بُھول جا مطلب کے یار بھاڑ میں جا

تُو مُشکلوں میں میرا ساتھ چھوڑ جاتا تھا
تُو مُشکلوں میں مُجھے مت پُکار بھاڑ میں جا

تُو میرا دوست نہیں ہے تُو میرا دُشمن ہے
نہ میری مرگ پہ رو زار زار بھاڑ میں جا

محبت آج تلک تُو نے کیا دیا مُجھ کو
اے جُھوٹی چار دِنوں کی بہار بھاڑ میں جا

نہ اپنی نیند کو ضائع کروں گا آج کے بعد
اے یادِ یار شبِ انتظار بھاڑ میں جا

ہو تُجھ سا دوست تو آصفؔ عدو ہی بہتر ہے
اے بے ضمیر اے بے اعتبار بھاڑ میں جا

★★★★★

وقتِ حساب

سب انتشار پسندوں کو توڑ کر رکھ دُوں
یہ میرے ہاتھ تو آئیں مرروڑ کر رکھ دُوں

یہ میرے بس میں نہیں ورنہ اِن کمینوں کو
ایک ایک کر کے کہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دُوں

تُو جاہلوں پہ تو عالم ہے میرے سامنے آ
تیرا غُرور میں سارا نچوڑ کر رکھ دُوں

جو یہ غُرور کا سَریا ہے تیری گردن میں
میں بائیں ہاتھ سے چاہُوں تو موڑ کر رکھ دُوں

تُو کتنے بچوں کو گُمراہ کر چُکا خِنزیر
تُو مِل تو جا تیری گردن مروڑ کر رکھ دُوں

میری غریبی پہ اتنا نہ طنز کر آصفؔ
کہ یُوں نہ ہو تیری پگڑی جھنجوڑ کر رکھ دوں

★★★★★

مسئلہِ اللہ

سمندر میں کھڑے ہو رو رہے ہو
یہ کیسی میلی چادر دھو رہے ہو

آصفؔ یہ دنیا مسئلہ اللہ کا ہے
یہ مٹی سر پہ تم کیوں ڈھو رہے ہو

ہمارے آنسوؤں کے جگنوؤں سے
ستارو کیوں پریشاں ہو رہے ہو

سمندر کو دکھا کر آگ اب کیوں
دعا کی بارشوں کو رو رہے ہو

جہاں پرکھوں کے سجدوں کے نشاں ہیں
وہ گلیاں خون سے کیوں دھو رہے ہو

سنا ہو گا ہمارا حادثہ بھی
ہمارے شہر میں تم تو رہے ہو

نہیں گر جان جاں تو دشمن جاں
ہماری جان کے کچھ تو رہے ہو

عزیز تمہیں تو خوب ہنسنا چاہیئے
ہمارے حال پر تم رو رہے ہو

★★★★★

علم کا دیا

مصلحت کا کوئی خدا ہے یہاں
کام جو سب کے کر رہا ہے یہاں

اور ملتا بھی کیا فقیروں سے
صرف اک حوصلہ ملا ہے یہاں

لوگ محتاط ہیں رویوں میں
قربتوں میں بھی فاصلہ ہے یہاں

عادتاً پوچھنے لگے ہیں لوگ
کیا کوئی حادثہ ہوا ہے یہاں

علم تو دفن ہو چکا کب کا
کچھ کتابوں کا سلسلہ ہے یہاں

روشنی منتقل نہیں کی گئی
بس دیے سے دیا جلا ہے یہاں

حیرت

زخموں کو کریدا ہے تو ماضی نکل آیا
سوکھے ہوئے دریاؤں سے پانی نکل آیا

اس شخص کو پڑھنے میں بڑی چوک ہوئی تھی
آصفؔ وہ دوست تھا جو دشمن جانی نکل آیا

تشنہ تھے بہت دھوپ میں بھیگے ہوئے منظر
کل رات تو سورج سے ہی پانی نکل آیا

جو شخص نہیں جانتا اسلام کے معنی
حیرت ہے کہ اسلام کا داعی نکل آیا

گو اس نے غزل اپنے بڑھاپے میں کہی ہے
غزلوں میں مگر رنگ جوانی نکل آیا

★★★★★

جنگل

وہ دن کتنا اچھا تھا
میں جی بھر کے رویا تھا

ہوا ٹھمک کے چلتی تھی
ہاتھوں میں نقشہ تھا

ہوک سی اٹھتی تھی دل میں
اونچا نیچا رستہ تھا

یہی پیڑ تھے پہلے بھی
یہیں کہیں اک چشمہ تھا

چشمے کا سویا پانی
مجھے دیکھ کے چونکا تھا

پانی چھوڑ کے اک گیدڑ
اک جھاڑی میں لپکا تھا

جنگل

دو مینڈک ٹرائے تھے
ایک پرندہ چیخا تھا

اک کچھوا اک پتھر پر
پتھر بن کے بیٹھا تھا

میں پانی میں اترا تو
پانی زور سے اچھلا تھا

پہلے بھی اس جنگل سے
ایک بار میں گزرا تھا

لیکن پہلی بار آصفؔ
یاد نہیں کیا سوچا تھا

گھر

گرچہ نیزوں پہ سر ہے
موت تو وقت پر ہے

کون پتھر اٹھائے
یہ شجر بے ثمر ہے

گھونسلہ زندگی کا
سانس کی شاخ پر ہے

کوئی دشمن نہیں ہے
مجھ کو اپنا ہی ڈر ہے

شک بھی کیجے تو کس پر
وہ بڑا معتبر ہے

زد میں آندھی کے اکثر
ایک میرا ہی گھر ہے

اپنی پہچان رکھنا
بھیڑ ہر موڑ پر ہے

میرے مولا آصفؔ کو
عشق خیر البشر ہے

میری عمر

وہ ہے آگ وہ پانی ہے
سب کی ایک کہانی ہے

ان کھنڈرات کے نیچے بھی
جاری نقل مکانی ہے

کوئی میری عمر بتائے
بچپن ہے کہ جوانی ہے

آئینے ہیں گرد آلود
اور خطہ بارانی ہے

گھر کا نقشہ ہے تیار
اب زنجیر بنانی ہے

ہاتھ ہمارے زخمی ہیں
اور چٹان گرانی ہے

کوئی سپنا بھی دیکھو
ویرانی ویرانی ہے

میرے گھر کا سناٹا
میری ہی بے دھیانی ہے

ہجر کو ہجر نہ کہنا بھی
یہ آصفؔ بے ایمانی ہے

خوفِ خدا

سر میں جب عشق کا سودا نہ رہا
کیا کہیں زیست میں کیا کیا نہ رہا

اب تو دنیا بھی وہ دنیا نہ رہی
اب تیرا دھیان بھی اتنا نہ رہا

قصۂ شوق سناؤں کس کو
راز داری کا زمانا نہ رہا

زندگی جس کی تمنا میں کٹی
وہ میرے حال سے بیگانہ رہا

ڈیرے ڈالے ہیں خزاں نے چودیس
گل تو گل باغ میں کانٹا نہ رہا

دن دہاڑے یہ لہو کی ہولی
خلق کو خوف خدا کا نہ رہا

اب تو سو جاؤ ستم کے مارو
آسماں پر کوئی تارا نہ رہا

★★★★★

اِلزامِ گُستاخی

حقیقی سوچ کی گہرائی مار ڈالے گا
بڑھے گا جُھوٹ تو سچائی مار ڈالے گا

میں دوستوں کے تو چُنگل سے بچ گیا ہُوں مگر
میں جانتا ہُوں مُجھے بھائی مار ڈالے گا

میں سارے شہر کی تنہائیوں کا وارث ہُوں
جو مُجھ کو مارے گا تنہائی مار ڈالے گا

وہ آج شہر میں ہر سمت جس کے چرچے ہیں
اُسے بھی کوئی تماشائی مار ڈالے گا

یہ اُس کے کام نہ آئی تو دیکھنا اک دن
مسیحا خُود ہی مسیحائی مار ڈالے گا

اے دوست عشق کی رمزوں سے تُو نہیں واقف
یہ تیرا حُسن یہ رعنائی مار ڈالے گا

جو میرا ہو نہیں پایا وہ تیرا کیا ہوگا
رقیب تُجھ کو بھی ہرجائی مار ڈالے گا

اُٹھائے سنگِ محبت کو ڈُھونڈتے ہیں لوگ
اگر کسی نے کہیں پائی مار ڈالے گا

مُجھے یقین ہے آصفؔ کہ آج کا مسلم
جو کُوڑا پھینکے گی وہ مائی مار ڈالے گا

آئینہ

جُھوٹ بھی سچ لگے یُوں سُنایا کرو
سچ یہی ہے کہ سچ مت بتایا کرو

آپ کی بات پہ جو بھی قائل نہ ہو
اُس پہ فی الفور فتوے لگایا کرو

پارسائی کی ہے شرطِ اوّل یہی
اُنگلیاں دُوسروں پر اُٹھایا کرو

اپنے حُجرے میں جو کچھ بھی کرتے رہو
نار سے دُوسروں کو ڈرایا کرو

حُکمرانوں تمھیں حق ہے محکُوموں کا
خُون چُوسو کلیجہ چبایا کرو

بُت پرستی سے کب تم کو روکا مگر
دل بھی مندر ہے یار آیا جایا کرو

ہیں خُوشامد کے اپنے مزے دوستو
دُوسروں کی تجوری سے کھایا کرو

نامور شاعروں میں گِنے جاؤ گے
دُوسروں کی زمینیں چُرایا کرو

ورنہ آصفؔ کبھی قتل ہو جاؤ گے
آئینہ مت کسی کو دکھایا کرو

★★★★★

جڑِ انتشار

نہ صرف مولوی ہی انتشار کی جڑ ہیں
سیاسی بھی تو سبھی انتشار کی جڑ ہیں

اِنہیں کے نام کے جھگڑے ہیں ساری دُنیا میں
مذاہب آج کڑی انتشار کی جڑ ہیں

یہ دن بدن نئے فرقے جو بن رہے ہیں یہاں
جو سچ کہوں تو بڑی انتشار کی جڑ ہیں

جو نفرتوں کا سبق دے رہے ہیں مِنبر پر
یقین جانوں وُہی انتشار کی جڑ ہیں

مُنافقین کی بستی میں سچ جو بولتے ہیں
ہم ایسے لوگ بڑی انتشار کی جڑ ہیں

میں لکھتا سچ ہُوں مگر پڑھنے والے کہتے ہیں
یہ شعر ہیں یا کسی انتشار کی جڑ ہیں

آصفؔ ہم جو اُنہیں بے نقاب کرتے ہیں
وہ کہہ رہے ہیں یہی انتشار کی جڑ ہیں

★★★★★

ذکرِ یار

وہ جس کے نام میں لذت بہت ہے
اسی کے ذکر سے برکت بہت ہے

ذرا محفوظ رستوں سے گزرنا
تمہاری شہر میں شہرت بہت ہے

ابھی سورج نے لب کھولے نہیں ہیں
ابھی سے دھوپ میں شدت بہت ہے

مجھے سونے کی قیمت مت بتاؤ
میں مٹی ہوں میری عظمت بہت ہے

کسی کی یاد میں کھوئے رہیں گے
گنہگاروں کو یہ جنت بہت ہے

جنہیں مصروف رہنے کا مرض تھا
انہیں بھی آج کل فرصت بہت ہے

جہاں پر خوشبوئیں تھیں زندگی کی
اسی محفل میں اب غیبت بہت ہے

کبھی تو حسن کا صدقہ نکالو
تمہارے پاس یہ دولت بہت ہے

غزل خود کہہ کے پڑھنا چاہتے ہو
میاں اس کام میں محنت بہت ہے

ہوا تو تھم چکی لیکن دیوں کے
رویوں میں ابھی دہشت بہت ہے

شہر بدر

اندر کی دنیائیں ملا کے ایک نگر ہو جائیں
یا پھر آؤ مل کر ٹوٹیں اور کھنڈر ہو جائیں

ایک نام پڑھیں یوں دونوں اور دعا یوں مانگیں
یا سجدے سے سر نہ اٹھیں یا لفظ اثر ہو جائیں

خیر اور شر کی آمیزش اور آویزش سے نکھریں
بھول اور توبہ کرتے سارے سانس بسر ہو جائیں

ہم ازلی آوارہ جن کا گھر ہی نہیں ہے کوئی
لیکن جن رستوں سے گزریں رستے گھر ہو جائیں

ایک گناہ جو فانی کر کے چھوڑ گیا دھرتی پر
وہی گناہ دوبارہ کر لیں اور امر ہو جائیں

صوفی سادھو بن کر تیری کھوج میں ایسے نکلیں
خود ہی اپنا رستہ منزل اور سفر ہو جائیں

رزق کی تنگی عشق کا روگ اور لوگ منافق سارے
آؤ ایسے شہر سے آصفؔ شہر بدر ہو جائیں

★★★★★

انتظارِ کرامت

قصور سب ہے یہ نامعتبر علامت کا
الجھ کے رہ گیا مفہوم ہی عبارت کا

تمہارے سامنے منظر کہاں قیامت کا
عذاب سہتے کبھی کاش تم بھی ہجرت کا

قلم کے ساتھ زباں بھی تراش لو میری
یہ امتحان بھی لے لو میری صداقت کا

کوئی سنائے تو آ کر حدیث شب زدگاں
ابھی بجھا نہیں شعلہ میری سماعت کا

میری حیات کی وسعت پہ ہو گیا ہے محیط
وہ ایک پل جو امیں ہے تیری رفاقت کا

ہے ایک دانۂ گندم کی فتنہ سامانی
یہی ہے نکتۂ آغاز اپنی ہجرت کا

تباہیوں پہ آصفؔ چپ ہیں لوگ بستی کے
ہے انتظار ابھی شاید کسی کرامت کا

★★★★★

پروازِ ہجرت

آخر اک دن سب کو مرنا ہوتا ہے
یعنی مصرع پورا کرنا ہوتا ہے

میں دریا کی گہرائی تک جاتا ہوں
میں نے کون سا پار اترنا ہوتا ہے

اپنے آنسو آپ ہی رونا ہوتے ہیں
اپنا گھاؤ آپ ہی بھرنا ہوتا ہے

اس صحرا کو پنچھی پوجنے آتے ہیں
جس صحرا کے دل میں جھرنا ہوتا ہے

ہم تو زمیں پر رینگنے والے کیڑے ہیں
ہم نے کب ہجرت سے ڈرنا ہوتا ہے

اڑنے والے کیسے بھول گئے آصفؔ
پاؤں آخر خاک پہ دھرنا ہوتا ہے

★★★★★

مہاجر آنسو

شام خاموش ہے پیڑوں پہ اجالا کم ہے
لوٹ آئے ہیں سبھی ایک پرندہ کم ہے

دیکھ کر سوکھ گیا کیسے بدن کا پانی
میں نہ کہتا تھا میری پیاس سے دریا کم ہے

خود سے ملنے کی کبھی گاؤں میں فرصت نہ ملی
شہر آئے ہیں یہاں ملنا ملانا کم ہے

آج کیوں آنکھوں میں پہلے سے نہیں ہیں آنسو
آج کیا بات ہے کیوں موج میں دریا کم ہے

اپنے مہمان کو پلکوں پہ بٹھا لیتی ہے
مفلسی جانتی ہے گھر میں بچھونا کم ہے

بس یہی سوچ کے کرنے لگے ہجرت آنسو
اپنی لاشوں کے مقابل یہاں کاندھا کم ہے

دل کی ہر بات زباں پر نہیں آتی ہے آصفؔ
میں نے سوچا ہے زیادہ اسے لکھا کم ہے

★★★★★

جھوٹے قلندر

یہ مسندوں پہ جو بیٹھے ہوئے قلندر ہیں
یہ سب کے سب میرے دیکھے ہوئے قلندر ہیں

انہیں پتہ ہی نہیں اصل راستہ کیا ہے
میرے خیال میں بھٹکے ہوئے قلندر ہیں

چلو ملیں تو سہی اُس عظیم ہستی سے
مرید کہتے ہیں پہنچے ہوئے قلندر ہیں

یقین اُٹھ ہی نہ جائے ہمیں یہ کیا دیں گے
یہ خود جہاں کے ستائے ہوئے قلندر ہیں

مجھے ڈرا نہیں سکتے کرامتوں والے
یہ میرے اپنے بنائے ہوئے قلندر ہیں

سُنا ہے ان کو بھی محرومیاں ستاتی ہیں
یہ دین و دُنیا سے بھاگے ہوئے قلندر ہیں

یہ گھُونٹ پی کے مراتب کی بات کرتے ہیں
سو اس لحاظ سے بہکے ہوئے قلندر ہیں

یہ اس جہاں کی ہوس میں ہیں مبتلا آصفؔ
یہ اپنی ذات سے ہارے ہوئے قلندر ہیں

★★★★★

چھُپی دیوانگی

خواب سے میری دوستی ہوئی ہے
نیند اغیار کی اُڑی ہوئی ہے

میں ہوں لشکر سمیت پانی میں
دُھول پھر کس لیے اُڑی ہُوئی ہے

اتنے منظر دِکھا دیے میں نے
اب نظر خوف سے ہَٹی ہوئی ہے

سانس دے کر اِسے کریں پُورا
اک سرے سے ہَوا کٹی ہوئی ہے

میرے چہرے پہ شعر کی رونق
میرے اندر غزل بُجھی ہوئی ہے

ایک چڑیا ہے، پیڑ ہے، میں ہوں
ایک دُنیا وہاں بسی ہوئی ہے

گھر تھا ڈُوبا ہوا اندھیرے میں
تیری دستک سے روشنی ہوئی ہے

چھُپی دیوانگی

دُشمنوں کے لیے حسیں موقع
آج کل خود سے جو ٹھنی ہوئی ہے

زندگی رقص کر رہی ہو گی
اس لیے تو گھڑی رُکی ہوئی ہے

اب میں خوشبو بھری محبت ہوں
پھُول سے بات سرسری ہوئی ہے

گھر میں اک دشت کیا میسر ہے
میری دیوانگی چھُپی ہوئی ہے

پہلے سُوکھا ہوں پیڑ کی صورت
پھر تمنا میری ہری ہوئی ہے

خُوبصورت تو میں بھی ہوں آصفؔ
بس ذرا گرد سی جمی ہوئی ہے

میری پہچان

ضرورت گھر نگلتی جا رہی ہے
گلی بازار بنتی جا رہی ہے

ہمارا حوصلہ کم ہو رہا ہے
یہ دُنیا تیز چلتی جا رہی ہے

یہ کیسے سانس لیں گے لوگ سارے
ہَوا تقسیم ہوتی جا رہی ہے

روپے کی جب سے قیمت کم ہوئی ہے
میری قیمت بھی گرتی جا رہی ہے

نکالا جا رہا ہے مجھ کو گھر سے
میری بُنیاد رکھی جا رہی ہے

میری پہچان

نہیں معلوم کب تک قید میں ہوں
ابھی زنجیر پرکھی جا رہی ہے

مجھے بھی پھول بننا پڑ رہا ہے
میرے ہمراہ تتلی جا رہی ہے

اِدھر اک شخص بھوکا مر رہا ہے
اُدھر خیرات بانٹی جا رہی ہے

کوئی بھی جُرم ثابت کب ہوا ہے
سزا چُپ چاپ کاٹی جا رہی ہے

اُسے دُکھ ہے، الگ ہونے سے آصفؔ
میری پہچان بڑھتی جا رہی ہے

★★★★★

تشنگی

میز پر خاموشی پڑی ہوئی ہے
ایک افسردگی پڑی ہوئی ہے

اب تو تُو بھی نہیں رہا گھر میں
صرف تیری کمی پڑی ہوئی ہے

سب پرندے اُداس پھرتے ہیں
لاش بشر کی پڑی ہوئی ہے

میرے دو ہاتھ بھی کٹے ہوئے ہیں
تیری تصویر بھی پڑی ہوئی ہے

کون آیا تھا روشنی لینے
ہر طرف روشنی پڑی ہوئی ہے

تشنگی

شہر کی ہر گلی بتا دے گی
میری آوارگی پڑی ہوئی ہے

سَر نہیں ہے پڑا ہوا میرا
وقت کی خودسری پڑی ہوئی ہے

کیا کوئی ماہتاب گُزرا ہے
گھاس پر چاندنی پڑی ہوئی ہے

رات پتھر نے گریہ زاری کی
آسماں تک نمی پڑی ہوئی ہے

دو کناروں کے درمیاں آصفؔ
دور تک تشنگی پڑی ہوئی ہے

★★★★★

ٹوٹتی ٹہنی

تمنا گھر کی بڑھتی جا رہی ہے
میری آوارگی اُکتا رہی ہے

میں اس دُنیا میں رہتا ہی نہیں ہوں
یہ دُنیا کیوں مجھے سمجھا رہی ہے

تُو کُوفہ شہر سے آیا ہوا ہے
تیری شرمندگی بتلا رہی ہے

میسر ہو رہا ہے سب کو پانی
تیری تشنہ لبی کام آ رہی ہے

قبیلہ طیش میں آیا ہوا ہے
محبت جبر سے ٹکرا رہی ہے

لہو کی بوند سے پہچانتا ہوں
کہانی مثلوں کو جا رہی ہے

ٹوٹتی ٹہنی

میں پانی ہوں مگر رُکتا بہت ہوں
میری مستی مجھے گدلا رہی ہے

یہ کمرہ بند ہے چاروں طرف سے
اُداسی کس طرف سے آ رہی ہے

کہیں میں مرنے والا تو نہیں ہوں
تیری تصویر کیوں دُھندلا رہی ہے

یقیناً ٹوٹ جائے گی کسی دن
یہ ٹہنی جس طرح بل کھا رہی ہے

میرے جیسا کوئی بھیجا گیا ہے
مجھے تاریخ پھر دُہرا رہی ہے

آصفؔ میری آواز سے ٹکرا گئی تھی
ابھی تک خاموشی پچھتا رہی ہے

★★★★★

میرا وقت

تُم سجادو زمین پھولوں سے
پہلا بشر آنے والا ہے

تُم چُھپا دو کہیں اُداسی کو
گھر میں مہمان آنے والا ہے

سب پرندے اُداس پھرتے ہیں
کوئی طوفان آنے والا ہے

لوگ باریکیاں نکالیں گے
میرا دیوان آنے والا ہے

میں علم دیئے جا رہا ہوں
بس میرا وقت آنے والا ہے

★★★★★

دَردِ دِل

زہر کی چٹکی ہی مل جائے برائے دردِ دل
کچھ نہ کچھ تو چاہیئے بابا دوائے دردِ دل

رات کو آرام سے ہوں میں نہ دن کو چین سے
ہائے ہائے وحشت دل ہائے ہائے دردِ دل

درد دل نے تو ہمیں بے حال کر کے رکھ دیا
کاش کوئی اور غم ہوتا بجائے دردِ دل

اس نے ہم سے خیریت پوچھی تو ہم چپ ہو گئے
کوئی لفظوں میں بھلا کیسے بتائے دردِ دل

دو بلائیں آج کل اپنی شریک حال ہیں
اک بلائے درد دنیا اک بلائے دردِ دل

زندگی میں ہر طرح کے لوگ ملتے ہیں آصفؔ
آشنائے دردِ دل نا آشنائے دردِ دل

★★★★★

توبہ

مے کا یہ احترام ارے توبہ
اور پھر وہ حرام ارے توبہ

دل کو سرمست کر ہی دیتی ہے
یاد ساقی و جام ارے توبہ

اللہ اللہ کرا رے زاہد
جام مے صبح و شام ارے توبہ

بت پرستی میں جس کی عمر کٹی
ایسے کافر کا نام ارے توبہ

ایک بے جاں کے قتل کرنے کو
اس قدر اہتمام ارے توبہ

غم زدوں کی یہ خاموشی ہے غضب
صبر کا انتقام ارے توبہ

آج بھولے سے لے لیا کس نے
آصفؔ رسوا کا نام ارے توبہ

★★★★★

اختتامِ غزل

شعر تو سب کہتے ہیں کیا ہے
چپ رہنے میں اور مزا ہے

کیا پایا دیوان چھپا کر
لو ردی کے مول بکا ہے

دروازے پر پہرہ دینے
تنہائی کا بھوت کھڑا ہے

گھر میں کیا آیا کہ مجھ کو
دیواروں نے گھیر لیا ہے

میں ناحق دن کاٹ رہا ہوں
کون یہاں سو سال جیا ہے

آگے پیچھے کوئی نہیں ہے
کوئی نہیں تو پھر یہ کیا ہے

باہر دیکھ چکوں تو دیکھوں
اندر کیا ہونے والا ہے

ایک غزل اور کہہ لو آصفؔ
پھر برسوں تک چپ رہنا ہے

★★★★★

عنوانِ دیوان

یوں تو سب سامان پڑا ہے
لیکن گھر ویران پڑا ہے

شہر پہ جانے کیا بیتی ہے
ہر رستہ سنسان پڑا ہے

زندہ ہوں پر کوئی مجھ میں
مدت سے بے جان پڑا ہے

تبھی چلیں ہیں اس قافلے والے
جب رستہ آسان پڑا ہے

شاعر کانٹوں پر جیتا تھا
پھولوں پر دیوان پڑا ہے

میرے گھر کے دروازے پر
میرا ہی سامان پڑا ہے

یار آصفؔ دنیا کا فسانہ
کب سے بے عنوان پڑا ہے

★★★★★

احمد صلی اللہ علیہ وسلم

کہاں رفعت ہے احمد کی کہاں تیری حقیقت ہے
ضلالت ہی ضلالت بس تیری بے چین فطرت ہے

مذمت کر رہا ہے تو شرافت کے مسیحا کی
امانت کے دیانت کے صداقت کے مسیحا کی

اگر گستاخی ناموس احمد کر چکے ہو تم
تو اپنی زندگی سے قبل ہی بس مر چکے ہو تم

★★★★★

کوچہِ درویش

انساں کی یہاں ذات اکیلی تو ہے نہیں
کرتا ہوں بات صاف پہیلی تو ہے نہیں

اب کیا اسے بتائیں کہ ہوتا ہے کیا مکاں
وہ گھر بنا کے ریت کا کھیلی تو ہے نہیں

اک جھونپڑی ہے اور زمانے کی تلخیاں
درویش کی جناب حویلی تو ہے نہیں

★★★★★

پہچانِ بندگی

یہ مختصر ہے فقط ایک دو گھڑی کے لئے
جہاں بنایا گیا ہے کسی ولی کے لئے

مجھے پتا تو چلے میرے بعد کون آیا
تمہارے جسم کی مجھ جیسی پیروی کے لئے

تُم اِس کو بُت نہ کہو بُت پرست لوگوں نے
خدا بنایا ہوا ہے یہ بندگی کے لئے

★★★★★

تسلی

عجیب طرح کی حیرت کا سامنا تھا مجھے
کہ آئینے میں کوئی اور آملا تھا مجھے

میں رشتہ داروں سے اس واسطے نہیں ملتا
کہ ان کے ہوتے بھی بے گھر کیا گیا تھا مجھے

تمہاری موت کے صدمے سے چور چور تھا میں
اور ایک شخص تسلّی بھی دے رہا تھا مجھے

★★★★★

بیکار دانش

تن آسانی نہیں جاتی ریا کاری نہیں جاتی
میاں برسوں میں یہ صدیوں کی بیماری نہیں جاتی

جناب شیخ یوں چلتے ہیں علم و فضل کو لے کر
کسی ٹھیلے سے جیسے کوئی الماری نہیں جاتی

کتابیں جن کے کھل جانے سے آنکھیں بند ہو جائیں
یہ دانش جس کے آ جانے سے بیکاری نہیں جاتی

★★★★★

وقتِ بغاوت

میکدے سے یہاں جسکو بھی عقیدت ہو گی
فکرِ جنت سے اسے شیخ جی وحشت ہو گی

میرا دعوہ ہے کے محشر میں سبھی رندوں کو
اور کچھ بھی نہ ہو زاہد پہ فضیلت ہو گی

کر گئی آج میرے کان میں سرگوشی ہوا
دیکھنا وقت کے سلطاں سے بغاوت ہو گی

★★★★★

پنجابی غزلیں

درویشاں دا

درویشاں دلگیراں دا
لال رنگ فقیراں دا

سنّت حضرت عیسیٰ دی
سادا کُرتا لیراں دا

اگلا پَینڈا اوکھا اے
بے مرشد بے پِیراں دا

اسّی کملے وحشی لوک
ساتھوں پُچھ زنجیراں دا

ظالم اپنی اکّھاں نال
کم لیندا اے تیراں دا

دل یاداں دا ڈونگا کھوہ
اکھ دریا اے نیراں دا

گھاٹا نئیوں پورا ہوندا
ماپے، بھیناں، ویراں دا

چنگا ماڑا کجھ وی نئیں
رولا اے تقدیراں دا

کندھاں کولوں پچھ یارا
دکھ اے کیہہ تصویراں دا

★★★★★

مُرشد دِل

کسے ملیا پیر فقیراں نوں
کسے لبھیاں ایتھے ہیرانوں

کسے رو رو سچے رب اگے
لیا معاف کراں تکسیراں نوں

کوئی نکڑے لگ کے بیٹھ ریا
پا عشق دیا زنجیراں نوں

کسے سسی دا کسے ہونی دا
کوئی عاشق لیلی سوہنی دا

کوئی طالب چنگی شہرت دا
کوئی سجن بوہتی دولت دا

اسی مالک پوٹھے شوقاں دے
اسی ویری سارے لوکاں دے

سروں لا کے فقر اس سوچا نوں
اُک دل نوں اپنے نال لئیا

اسی وکھرے ساڈا سفر وی وکھرا سی
اسی رستہ وکھراں ٹال لئیا

مُرشد دِل

اسی حرص حواص نوں چھڈ دتاں
جہڑا شوق سی دل وچ نفیاں دا

اُس شوق نوں دل وچوں کڈ دتاں
اسی خوشیاں بدلے سوگ لیے

ساڈی نکی عمرے ہمت اے
اساں عمروں وڈگ لیے

اسی نفیاں تے نقصاں چوں
من مرضی لئی نقصان لئیا

ساڈے پاگل پن دی حد ویکھو
اسی دل نومرشد جان لیا
اسی دل نومرشد جان لیا

اسی دل ہتھوں مجبور ہوئے
اسی دل دے آگے ہار گئے

ایں دل دی ساری کرنی اُے
سب یار گئے سب ہار گئے

مُرشد دِل

اسی اڑ لے کنڈے پھرنے آ
ساڈے سجن پر لے پار گئے

نا دھپ ویکھی نا چھاں ویکھی
نا ماری چنگی تھاں ویکھی

ساڈی عقل سیا پاں سو کیتا
اساں عقل دی اک وی نا منی
جو دل وچ آیا او کیتا

اسی سر نوں سٹ کے ٹردے رہے
صدا دل دے آکھے لگدے رہے

اسی کھوہ جوتے ڈھگے سن
اساں اکھیاں میٹ کے وگدے رہے

ساڈے پاگل پن دی حد ویکھو
اسی دل نو مرشد جان لیا
اسی دل نو مرشد جان لیا

★★★★★

دھر لئیں توں

جیے طلب دی پیاس اِچ رسدا ایں
جیے روح دی پکار تے نچدا ایں

تے ساقی دے قدماں نوں پھڑ لے تو
اونوں جان نا دئیں دھر لئیں توں

او رب ہے وسدا صورت وچ
پر پھنج جاوے گا لمحے وچ

جیے کفر تے شرک اِچ پھسیا تو
اوس موقعے نوں سوہنے دھر لئیں تو

تو میں تے میں وچ اکڑی ناں
او دے اَگے جیب کدی کڈی ناں

دھر لئیں توں

اوبے پرواہ اے جانڑی توں
اودی مہہ نوں تولیں ناں دھرلئیں توں

اودے حکم تھوں کنڈ نوں موڑیں ناں
کدی دماں تھوں ہویں اولی ناں

اودے عشق دی مُندری مندلئیں توں
اودے قدماں اِچ جندڑی دھرلئیں توں

تیرے دُکھاں غماں دی دوائی ہور
تیری روح دی کیتھے شفائی ہور

اودے کرم دی دوا نوں پی لئیں توں
اوس طبیب دے در نوں دھرلئیں توں

★★★★★

مست ملنگ

کوئی ترسے یار دی جھلک لئی
کوئی کھڑ کھڑ ہسے یار دے سنگ

کوئی عشق دے وچ پنج وقتی اے
کوئی بلھے وانگوں وکھرے رنگ

کیتھے یار مناون دا چج کوئی نا
کیتھے عشق سکھاوے سارے ڈھنگ

کیتھے عشق سولی چڑھ جاوے
کیتھے ہوئے نے مست ملنگ

ھور کوئی

مینوں عاشق نہ تو کہہ سجناں
میرا عشق فقیری ھور کوئی

سِر سُٹ کہ گل وچ پا منکا
میرا سِر ھلاندا ھور کوئی

چُپ رہندا دَ روٹ جاندا میں
میرے اندروں بولے ھور کوئی

میں گل کر یندا مُرشد نال
تینوں دِسدا میرے نال ھور کوئی

میں تکدا شرکاں غرباں نوں
تو کیندا مینوں چور کوئی

میں جا گدیاں سُتیاں پڑھ لیندا
تیری علم کتاباں ھور کوئی

میں چولا پا کہ پیاء ریندا
تیرا حُسن لباساں ھور کوئی

تُو کی جانیں میں کی جانڑاں
اے او جانڑیں نہ ھور کوئی

رَبّ را کھا تیریاں عقلاں دا
تو ھور کوئی میں ھور کوئی

★★★★★

مَن میَلا

تَن دھوتا، پر مَن نہیں دھوتا، مَن مَیلے دا مَیلا
لکھ نماز، کروڑاں سجدے
پھوڑی اُتّے مَتھے بھجدے

ذکر جَلی وِچ تسبی رولی
پر عیباں دی گنڈھ نہ کھولی

منبر تے لمیاں تقریراں
پاپی مَن دِیاں سو تفسیراں

ڈھینچوں سِکھیا عقل دا کھوتا
تَن دھوتا، پر مَن نہیں دھوتا، مَن مَیلے دا مَیلا

گھت مُصلّی، خیریں سَلّا
چِلّے کیتے پڑھ پڑھ اللہ

گلّاں دا کھڈ کا رنگلّا
من ریہا جَھلّے دا جَھلّا

مَن مَیلا

عقل نے کیتا کم اولّا
اپنے سِر وِچ ماریا کھلا

پاپاں دے وِچ ہو گیا سوتا
تَن دھوتا، پر مَن نہیں دھوتا، مَن مَیلے دا مَیلا

ویکھن والے ویکھ نہ سَکے
نظراں دِتّے سو سو دَھکے

کَن وچارے سُن سُن تھکّے
بولن والے ہوٹھ نہ اَکّے

اَج تَن تیرتھ، کل تنمکے
کِسے وی تھائیں مِلے نہ سَکے

ٹیں ٹیں کردا فقہ دا طوطا
تَن دھوتا، پر مَن نہیں دھوتا، مَن مَیلے دا مَیلا

★★★★★

سچا رَب

کوئی تنتر منتر، تان کہے
کوئی گیتا، وید، قرآن کہے

اک بدھا، رام رحیم ہے جی
اک نور تو اک نروان کہے

سب اپنے اپنے من کی کہیں
کیا میں پاپی حیران کہے

اک کہہ دے بات اشاروں میں
اک بولے تو وجدان کہے

ہے برہما، شیو، اور وشنو جی
اک رام، کرشن بھگوان کہے

سچا رَب

یہ کیسی گنجل رمز ہے جی
لقمان کہے، جبران کہے

اک بلھا ناچے تاتھیاں
منصور حیران، بے جان کہے

زیر، زبر، اور پیش ہے بس
تفسیر باہو سلطان کہے

اک نانک اوم کا ورد پڑھے
اک کان کھینچ اذان کہے

سب گنجل گنجل راز ہیں جی
بس سچا رب رحمان کہے

★★★★★

دارو درد والا

اکھاں میریاں دے وچ شرم ہووے
وچ جیبھ میری دے مٹھاس ہووے

منوآ صاف ہووے، ٹور ہوئے سدھی
اندر غیرت تے ستھرالباس ہووے

سچو سچ کہنوں کدے ٹلاں نہ میں
مینوں کسے توں ذرا نہ تراس ہووے

سینے دل ہووے، دل وچ درد ہووے
دارو درد والا میرے پاس ہووے

عِشق مثالاں

ہزار مثالاں عشق دِیاں اتھے
فیروی لُو کی عقل دے انھّے

اصل نماز دِی سمجھ ناں آئی
کر کر سجدے گوڈے بَھنّے

مخفی رب نُوں لبھدے پِھردے
بیٹھے فقیر نوں کِدی نئیں منَے

سُن وے جھلیا چھڈ عقل دا کھیڑا
پھڑ عشق دا پلہ تے لگ جا بَنّے

★★★★★

صبراں دے جام

فجرتوں لے کے شام نچاں
آکھیں تے میں جندڑی تمام نچاں

مینوں جوگ تیرے نے ڈنگیا اے
وانگ کملیاں ہن سرعام نچاں

مینوں عشق دی چڑھی خماری اے
لے لے کے میں تیرا نام نچاں

سائیاں پاواں تیرے عشق دا جوڑا
سائیں! بن کے تیرا غلام نچاں

نہ دساں نہ کھولاں درد میرے
صبراں دے پی پی جام نچاں

★★★★★

چولا میرا لیراں

میں چن دا پھردا لیراں نوں میرا چولا لیراں لیراں
جو ورقہ لیکھے جانا میں او پُر یا نال لکیراں

لوکاں دا تے مان بھرم ایں دولت، عزت، شہرت
ایہہ پر میرا مان بھرم نیں درد دیاں جاگیراں

تیری عقل تے پہرہ نفرت دا تر ے دل وچ دولت وسے
تینوں سمجھ نی دنیا دارا، کی عشق دیاں تفسیراں

جنہاں رات نہ ویکھی درداں دی او بن گئے ساہڈے دردی
مظلوم دا دکھ او کی جانے جدی جھولی وچ جاگیراں

نہ پا پیر توں اپنے اندر وچ نہ ہتھ کسے دا پلہ
اج جان کے سب کجھ رانجھے نوں نال اک مک ہو جا ہیراں

بیمارِ عشق

نی میں عین عشق دی جھلی
مینوں عین شین تے قاف آکھو

میرا عشق جے مرشد سچا
میرے عشق نوں میرا دلدار آکھو

مینوں عشق نے یار ملایا
میرے عشق نوں میرا یار آکھو

عشق مرشد وچ میں رب ڈیٹھا
مینوں عشق دی کملی بیمار آکھو

کیہ کرناں

ہُن گلیاں جی کے کیہ کرناں
گھُٹ گھُٹ پی کے کیہ کرناں

کدی تے سچ وی بولنا چاہیدا
ہُن لباں نوں سی کے کیہ کرناں

جدوں لیراں لیراں چولا ہو گیا
گریبان نوں فیر سی کے کیہ کرناں

جے جی نیں سکدا امرداں وانگوں
فیر مویاں وانگوں جی کے کیہ کرناں

اَشعار

الگ طرح کا کوئی رنگ روپ دھارا گیا
پھر اس کے بعد مجھے دوستوں میں مارا گیا

اگر میں شعر نہ کہتا تو اور کیا کرتا
مجھے زمین پہ کس واسطے اتارا گیا

شیخ کو خلد و حور کا سودا
ہائے یہ لذتوں کی گیرائی

دن کو مسجد تو شب کو مے خانہ
تجھ سا آفتاب ہے کون ہرجائی

کھو گیا آج کہاں رزق کا دینے والا وہ خدا
کوئی روٹی جو کھڑا مانگ رہا ہے مجھ سے

تم اس خموش طبیعت پہ طنز مت کرنا
وہ سوچتا ہے بہت اور بولتا کم ہے

تم سچے برحق سائیں
سر سے لیکر پیروں تک

دنیا شک ہی شک سائیں
تم سچے برحق سائیں

⭐⭐⭐

زمین و آسماں بھی اپنے قابو میں نہیں رہتے
جب رب سبحان وتعالیٰ ذکرِ احمد کرتا ہے

⭐⭐⭐

خدا کھینچ وہ نقشہ جس میں یہ صفائی ہو
ادھر فرمانِ احمد ہو ادھر گردن جھکائی ہو

⭐⭐⭐

نا میں باقی نا میری میں باقی
میں نے خود کو تجھ پے وار دیا

⭐⭐⭐

میرا ذوق سجدہ سجود ہے یہی میرے عشق کا راز ہے
تیرے پیار میں میرا جھومنا میرا حج ہے میری نماز ہے
⭐⭐⭐

میں سر کے بل گرا تھا گناہوں کے بوجھ سے

دنیا سمجھ رہی تھی کہ سجدے میں پڑا ہے

سجدے میں جب گیا تو لوگوں نے یہ کہا

ظالم نے اتنی پی ہے کہ مدہوش پڑا ہے

مجھے بھی مل نہ سکا اس کے بعد اپنا سراغ

وہ اس طرح سے مجھے بے نشاں کر کے گیا

جب تلک تھے مسلماں تو کچھ نہ ہوا حاصل

کافر ہوئے تو منزل مقصود پا لیا

محفل میں ذکر تھا درویشی کا

پھر لوگ کرنے لگے مثال مجھے

غریبوں کی محفل ہم شوق سے بیٹھا کرتے ہیں

ورنا بڑے نوابوں نے بھی نوابی ہم سے سیکھا ہے

اُٹھتی رہتی ہے ایک گرد مجھ میں

کون پھرتا ہے در بدر مجھ میں

مجھ کو مجھ میں جگہ نہیں ملتی

وہ ہے موجود اس قدر مجھ میں

آئینہ دیکھ کر تسلی ہوئی

ہم کو اِس گھر میں جانتا ہے کوئی

شعر و سخن تو دل بہلانے کا فقط بہانہ ہے صاحب

لفظ کاغذ پر اتارنے سے محبوب کب لوٹا کرتے ہیں

چارہ سازوں سے الگ ہے میرا معیار کہ میں

زخم کھاؤں گا تو کچھ اور سنور جاؤں گا

سامنے ہو صورت یار

اور وقت ٹھہر جائے

چاروں طرف دیکھتا ہوں

تماشا عجب دیکھتا ہوں

ہر کسی کی زباں پہ منزل ہے لیکن

بھاگ دوڑ ساری بے سبب دیکھتا ہوں

دل میں بغض، پیٹ میں حرام اور طواف پہ طواف

کعبہ خود چکر میں ہے کہ یہ لوگ کس چکر میں ہیں

گرے ہوئے تھے اپنی ہی نظروں سے

میں نے بڑی عمارتوں میں اکثر ایسے لوگ دیکھے

کرنوں کی بھیک مانگتی پھرتی ہے خلقِ شہر

خدارا اب وقت ہے کہ گھر کو جلا دینا چاہیے

منزل پہ جو پہنچا ہوں تو معلوم ہوا ہے

خود اپنے لیے راہ کی دیوار بھی میں تھا

خود کو پڑھتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں

ایک ورق روز موڑ دیتا ہوں

کانپتے ہونٹ، بھیگتی پلکیں

بات ادھوری ہی چھوڑ دیتا ہوں

ربطِ اُلفت کہوں یا عشق کی معراج کہوں

اپنے سائے سے بھی اب تیرا گماں ہوتا ہے

مجھے خدا سے ذرا ہمکلام ہونے دو

تُمہارا ذکر بھی اسی گفتگو میں آئے گا

خاموشی ایک نشہ ہے

اور میں آج، کل نشے میں ہو

فقیروں کو فقیروں کی رفاقت راس آتی ہے

سَخی آئے تو کہہ دینا ، سَخی سے ہم نہیں ملتے

مُفلس ہے کہ جوتَن کی قَبا بیچ رہا ہے

واعِظ ہے کہ ممبر پہ دُعا بیچ رہا ہے

دونوں کو ہے دَرپیش سَوال اپنے شِکم کا

اک اپنی خودی ایک خدا بیچ رہا ہے

حضرتِ شیخ جو پکڑے گئے میخانے میں

وردِ لاحول تھا، تسبیح کے ہر اک دانے میں

ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ، ترکِ مولا، ترکِ ترک کر

یعنی یوں، بے آرزو جینے کی عادت کر کے دیکھ

مجھے معلوم تھا یہ سب، میرا وجدان کہتا تھا

اک حادثہ درپیش ہونا تھا ، مجھے درویش ہونا تھا

گھوڑے، حشم، حویلیاں، شملے، زمین، زر

ہم دم بخود کھڑے رہے کتبوں کے سامنے

ابلیس بھی رکھ لیتے ہیں جب نام فرشتے
پھر کیوں نہ کہوں مجھ سے بھی ہیں خام فرشتے

جو بات میرے دل میں تھی آئی ہے زباں پے
اب کرتے پھریں جتنا مجھے بدنام فرشتے

اب کڑے فیصلوں کی باری ہے
کشمکش سے نکل رہا ہوں میں

جام پینے سے پہلے پڑھتا ہوں بسم اللہ
کون کہتا ہے رندوں کو خدا یاد نہیں

واعظ شرابِ ناب کو اتنا نہ کوسیئے
جنت میں آپ بھی تو پیئیں گے اگر گئے

کچھ سوال ہیں جو تم سے قیامت کے روز پوچھوں گا
کیوں کے اس سے پہلے ہماری بات ہو اس لائق نہیں ہو تم

ترک تعلق ہو کے مجھ سے سر اپنا وہ کھول کے روئے

بیٹھ کے میرے پہلو میں دکھ اپنے وہ تول کے روئے

پیڑ کٹا، شاخیں ٹوٹیں، اور آشیاں، تار تار ہوا

مل کے آج سب پنچھی وہ نغمے پرانے بول کے روئے

دین اسلام ہے اصلی اور نماز نقلی ہے

بڑی چالاکی سے الصّلاۃ کی روح بدلی ہے

سیٹھ نے مسکین کے لئے راہِ خدا میں

رکھی ہے وہ روٹی جو پانی سے پتلی ہے

پیسہ ہے بھگوان جھوٹا ہے انسان

تو مان یا نہ مان پیسوں میں بکے بھگوان

میں وقت کی چوکھٹ پہ کھڑا دیکھ رہا ہوں

انسان کے کردار سے انسان خفا ہے

اک عمر تو ہم نے بھی بھرپور گزاری ہے

دو چار مخالف تھے، دو تین طبیعت کے

تم بھی تو میاں فاضل اپنی ہی طرح کے ہو

دیں دار زمانے کے، بے دین طبیعت کے

نہیں ہیں ہم قائل کسی کی بھی بات کے

ہمارے اپنے اصول، اپنی سرکار، اپنے مزاج، اپنے انداز

چبھتے ہیں مجھے اکثر کانچ کے ٹکڑے

خوابوں کو آنکھوں میں توڑا ہے کس نے

مجھے کیا خبر وہ عشق تھا نماز تھی کہ سلام تھا

میرا اشک تھا مقتدی، تیرا حرف حرف امام تھا

جھوٹی تعریفوں سے باز آؤ ورنہ اے آفتاب

یہ جو بے شکل ہیں مغرور نہ ہو جائیں کہیں

اک امانت کا بوجھ ہے ورنہ

زندگی میرا مسئلہ ہی نہیں

زندگی بھر خدا کو ڈھونڈا

من میں دیکھا من میں پایا

روتا رہا میں رات بھر، پر فیصلہ نہ کر سکا

تو یاد آ رہا ہے، یا میں یاد کر رہا ہوں

عقل والا تیری دنیا سے پریشان گیا

عِشق والا تجھے ہر رنگ میں پہچان گیا

درویش ہم سخن وہ قلندر ہیں وقت کے

لے کر چلے جو پرچمِ احرار عشق میں

خدا کا مطلب ہے خود میں آ تو خود آ گہی ہے خدا شناسی

خدا کو خود سے جدا سمجھ کر بھٹک رہا ہے اِدھر اُدھر کیوں

میرے مرنے کی خبر خوب پھیلانا
بہت سے دلوں کو سکون ملے گا

کئی طرح کے وظیفے رٹنے کے بعد ہم نے
آپ کی بات کو اپنے دل میں دبا لیا ہے

زمیں کے جسم کو ٹکڑوں میں بانٹنے والو
کبھی یہ غور کرو کائنات کس کی ہے؟

زاہد تیری بہشت میں حوریں سہی مگر
اس بہشت کے خدا سے زرا ملوا تو سہی

اک کافر کے در پہ ساجد ہوں
کوئی میری بندگی کیا سمجھے

ہندو کے لیے ورد صنم کافی ہے، زاہد کے لیے درحرم کافی ہے
مجھ کے لیے اے یار تیرا نقش قدم ہے

یہ سچ ہے مجھے عشق ہوا ہے
مگر مجازی نہیں حقیقی ہوا ہے

ہم مانیں بھی تو کس کو اپنا خدا مانیں
خلق کی خلق ہی خدا بنی بیٹھی ہے

زندگی در بدر لیے پھرتی ہے بوجھل بدن
روح تو گروی پڑی ہے آستانہء یار پر

یہ شہر طلسمات ہے، کچھ کہہ نہیں سکتے
پہلو میں کھڑا شخص، فرشتہ ہے کہ ابلیس

ہم نے نہ قطرہ دیکھا، نہ کبھی دریا پہ غور کیا
بس جہاں تیری جھلک نظر آئی، وہیں ڈوب گئے

وہ مسجد کی کھیر بھی کھاتا ہے وہ مندر کا لڈو بھی کھاتا ہے
وہ بھوکا ہے بھوکا جناب اسے مذہب کہاں سمجھ میں آتا ہے

مجھ کو خواہش رہی ڈھونڈنے کی

مجھ میں کھو یا رہا خدا میرا

گردش نگاہ مست کی موقوف ساقیا

مسجد تو شیخ جی کی خرابات ہوگئی

وہ کتنی دور سے پتھر اٹھا کے لائے تھے

میں سر کو پیش نہ کرتا تو اور کیا کرتا

مجھے جتنی اذیت ملنی تھی مل گئی ہے

مگر یہ دنیا ضرورت سے زیادہ جل گئی ہے

کیا تماشہ ہو کہ خاموش کھڑی ہو دنیا

میں چلوں حشر میں کہتے ہوئے جاناں جاناں

شہرت کا شوق کہاں میں تو بس عام ہونا چاہتا ہوں

عاشق ہوں تیرا تیرے عشق میں نیلام ہونا چاہتا ہوں

خود کو کہتے ہو پارسا ہو تم

میں بتاؤں کیا تھے کیا ہو تم ؟

حسین سانپ کے نقش و نگار خوب سہی

نگاہ زہر پہ رکھ خوشنما بدن پہ نہ جا

بہکا تو بہت بہکا سنبھلا تو ولی ٹھہرا

اس خاک کے پتلے کا ہر رنگ نرالہ ہے

مَیں تو حیراں ہوں. کہ حیران نہیں ہے کوئی

انسان اِتنے ہیں، مگر بشر نہیں ہے، کوئی

تُو تو شہَ رگ کے پاس تھا لیکن

طے ہمِیں سے یہ فاصلہ نہ ہُوا

یہ اچھی پردہ داری ہے، یہ اچھی راز داری ہے

کہ جو آئے تمہاری بزم میں دیوانہ ہو جائے

غم زادے ہاتھ چومتے ہیں میرے

دنیا بھولنے کا ہنر سکھاتا ہوں میں

جنابِ شیخ یہ کیا ماجرا ہوا آخر

سنا ہے آپ کو کعبہ میں خدا نہ ملا

کچھ لوگ محبت کا صلہ مانگ رہے ہیں

نادان ہیں بندے سے خُدا مانگ رہے ہیں

آخر اس ارتقا کا اب نہ جانے کیا زوال ہوگا

بشر کی کوئی صفت آج کے بشر میں نہیں

اسکی تعظیم فرشتے بھی کرتے ہیں صاحب

اوڑھ لیتا ہے جو بابا بشر کی چادر

لوگ مجھ پہ ہنستے ہیں کہ میں سب سے مختلف ہوں

پر مجھے ان پہ ہنسی آتی ہے جو سب ایک جیسے ہیں

ان کو بخشش کی تمنا ہے جنھوں نے کبھی
چوک میں لا کے صلیبوں سے پیغمبر باندھے

★★★

شجر تنہا کھڑا ہے راستے میں
پرندے تعزیت کو آ رہے ہیں

★★★

اس بشر کے پہلو میں کتنا سکون ملتا ہے
جبکہ مندر نہیں، گرجا نہیں، کعبہ بھی نہیں وہ

★★★

ہمیں ہوش کہاں کیا دوزخ کیا جنت ہے
یہ پانچ وقت تیرے لیئے ہیں ہمارے لیئے میسر وہ ہر وقت ہے

★★★

کون ہے یہاں جو میرا نہیں
بس شرک سے محفوظ نہیں

★★★

ہر لمحہ گناہ ہے
نہ ہو جب معراج

★★★

گر پتہ تو حق نہ لگا سکے
تو ارکان پانچ کیا ادا کیئے

تمہاری تباہی عنقریب ہے جہاں والو
سبب حق پر نہیں بم پر بھروسہ ہے

جنگلی درندوں سے اب کوئی ڈر نہیں
مگر اب اشرف المخلوقات کا اعتبار نہیں

فارغ نہ جانیے مجھے، مصروفِ جنگ ہُوں
اُس چپ سے، جو کلام سے آگے نکل گئی

زخم پہ زخم سہے پھر بھی دھڑکتا جائے
دلِ درویش، تُو کس دیس کا باشندہ ہے

تُو میری خانہ بدوشی سے کہاں واقف ہے؟
مَیں تو گھر بار اُٹھاؤں گا چلا جاؤں گا

لا ہوتے تو الا کا مزہ پاتا

الا ہوئے تو لا کا مزہ پایا

یہ جو رقص ہے میرا فرش پر، یہی لے اڑا مجھے عرش پر

میری ذات میں جو دھمال ہے، تیری عاشقی کا یہ کمال ہے

میں تو عشق کا ہوں بندا میری ذات کافری ہے

مرشد کو رب سمجھنا یہی رسمِ عاشقی ہے

اپنی جنت مجھے دکھلا نہ سکا تو واعظ

کوچۂ یار میں چل دیکھ لے جنت میری

ذرا دیکھ تو لے پہلے میرے محبوب کو

پھر خود ہی کافر بننا گوارا کر لو گے

بلا ہے عشق لیکن ہر بشر قابل نہیں ہوتا

بہت پہلو ہیں ایسے بھی کہ جن میں دل نہیں ہوتا

ہم سے جنونِ عشق کا عالم نہ پوچھئے
اپنا ہی انتظار کرتے ہیں ہم کبھی کبھی

تو کیوں صداؤں سے مشروط ہے عطا تیری؟
تُو تو کہتا ہے کہ شہہ رگ سے بھی قریب ہوں میں

بشر ہو کر بھی خود کو خدا نہ بنایا
آج انسان خود کو خدا سمجھ بیٹھا

نہ کر ایسا کہ ہر ثواب گناہ ہو جائے
نا تمام کوشش کر جو گناہ ثواب ہو جائے

مردود کہا کس نے کس کو
کیا وہ میں ہوں یا تم جاناں؟

مطلب ہم مر چکے تھے؟
یہ تو معجزہ ہو گیا پھر

★★★

یہ گرد بیٹھ جائے تو معلوم کر سکوں
آنکھیں نہیں رہیں کہ تماشہ نہیں رہا

نا چھیڑ قصہ الفت بڑی لمبی کہانی ہے
میں زمانے سے نہیں ہارا کسی کی بات مانی ہے

اٹھا لائے ہو اپنے مالک کا کشکول
یہ لو بھیک میں میرا نام رکھ لو

اس سے پہلے کہ میں تیرے خدا کو مان لوں
کیا مناسب نہیں کہ میں تھوڑا اسکو جان لوں؟

حوروں سے میل جول، غنا کا شجر، شراب
یعنی بہشت جائیں گے کرنے گناہ ہم

طوائف سے کر لیا ہے عقد آج شیخ نے
پھیلتا جاتا ہے یوں اسلام میرے شہر میں

کیا شوق ہے کہ تیرے سامنے مجھے
روح کو جسم سے اتار کے آنا ہے اب

طبیعت میں اپنی اک گہرا راز ہوں
میرے سوا نہیں کوئی جانتا مجھے

میری جنت میں کیوں نہیں آتے؟
راہ میں کوئی پل صراط ہے کیا؟

بات حق کی ہے تو کیوں ڈٹ نہیں جاتے
عشق کرتے ہو تو کیوں مٹ نہیں جاتے

بھوک کے مارے تھے دو دانے کیا دیکھے
انسان کی بستی میں ہم جان گنوا بیٹھے

اس شہرِ کم نظر کی عجیب ریت ہے اے دل
بس مٹی کے بھاؤ بکتے ہیں کندن مثال لوگ

تو سمجھتا کہ جینے کی ہوس ہے مجھ کو

میں تو اس آس پہ زندہ ہوں کہ مرنا کب ہے

ہر ایک کی طبیعت کے موافق نہیں ہوں میں

کڑوا ضرور ہوں لیکن منافق نہیں ہوں میں

یہاں لباس کی قیمت ہے آدمی کی نہیں

مجھے گلاس بڑے دے شراب کم کردے

جب تلک شیشہ رہا میں بار بار توڑا گیا

بن گیا پتھر تو سب نے دیوتا مانا مجھے

مقدر کی زنجیروں سے بندھے ہم بے بس لوگ

عمر گزار دیتے ہیں معجزے کے انتظار میں

حدودِ زندگی میں جب بھی کوئی مشکل مقام آیا

نہ غیروں نے کوئی توجہ دی نہ اپنا کوئی کام آیا

ہجوم میں فنِ خلوت، غم میں فنِ تبسّم

دونوں پہ ہے عبور، ہم مرشد مزاج ہیں

غیروں کو کیا پڑی کے رسوا کریں مجھے

ان سازشوں میں ہاتھ کسی آشنا کا تھا

کتنے چہرے اُٹھائے پھرتے ہیں لوگ

جانے کب کس سے کیسے ملنا پڑ جائے

حال پوچھتی نہیں یہ بے وفا دنیا زندہ لوگوں کا

چلے آتے ہیں تیار ہو کر جنازے پے براتیوں کی طرح

ایک پیشانی ہے اور اتنے خداؤں کا ہجوم

سب بضد ہیں انہیں معبود ہی سمجھا جائے

چلو پھر ایسا کرتے ہیں، ذرا تفہیم کرتے ہیں

بنامِ، عدلِ، آدم، رزق ہم تقسیم کرتے ہیں

سوچتا ہوں کہ میں چپکے سے اگر مر جاوں

جو میرے خون کے پیاسے ہیں کہاں جائیں گے

کم ظرف ومنافق تھے سو افسوس نہیں ہے

جو لوگ مرے حلقہ احباب سے نکلے

میں تیرے ہجر میں چپ چاپ نہ مر جاؤں کہیں

میں ہوں، سکتے میں کبھی آ کے رُلا دے مجھکو

کوئی صلح کرا دے زندگی کی الجھنوں سے

بڑی طلب ہے ہمیں بھی آج مسکرانے کی

اخلاص کے امرت کی تاثیر ہی اُلٹی ہے

ہم جس کو پلاتے ہیں وہی زہر اُگلتا ہے

مت پوچھ سرِ محفل تعریف میری کیا ہوئی

ہر آہ پہ اک واہ ہوئی ہر واہ پہ اک آہ ہوئی

کچھ چاہ بتوں کی اللہ کا ذکر بھی

یہ زاہد مکار ادھر بھی ہے ادھر بھی

گر مانگا نہیں میں نے تو کچھ بھی نہیں مانگا

اب مانگ رہا ہوں تو صرف خدا مانگ رہا ہوں

کر گیا چھلنی جگر میرا

وہ تیر جو کماں میں نہیں تھا

ابھی بالوں میں کب سفیدی ہے

تیری راہوں کی دھول ہے جاناں

یہ جو ہجر ہے یہی عشق ہے، یہی کُفر ہے

میرے عاشقا، میرے کافرا، میرے پاس آ

میں اپنی لاش کو تنہا ہی دفن کر لوگا

کہ تم بھی جاؤ سبھی لوگ گھر گئے اپنے

★★★

تم کوئی قِبلہ ءِ اَوّل تو نہیں تبدِیل کر و نگا تمکو
تم ہوا َنتم اور اَنتم کا کوئی اَنت نہیں ہوتا ہے

ہم نے دیکھا ہے کئی ایسے خداؤں کو یہاں
سامنے جن کے وہ سچ مچ کا خدا کچھ بھی نہیں

یہ کون آدھی رات کو آیا ہے میکدے
تو بہ جنابِ شیخ ہیں! تشریف لایئے

مولوی ہی مکین ہے مسجد کا
یہ مکان خدا کا گھر نہیں ہے

قبول کر میرے چہرے کی جُھریاں، جن میں
کہیں دھرم کہیں تہذیب کے طمانچے ہیں

اب تو آ جا کے تیرے ہجر کے قیدی کو یہاں
روز اس شہر میں مرنے کی دعا ملتی ہے

میں تو بچپن سے ہی بڑھاپے کی طرف آیا ہوں

مجھ سے مت پوچھے میرے یار جوانی کیا ہے

دنیا میری وفاؤں کا صلہ دے چکی مجھے

تو بھی میرا اخلوص میرے منہ پے مار دے

سنتے ہو آصفؔ میاں، ایک عجیب خبر ہے

شیخ جی میکدے اب درسِ شراب دیں گے

نہ امیر ہوں نہ غریب ہوں نہ میں بادشاہ نہ میں وزیر ہوں

تیرا عشق ہے میری سلطنت میں اسی سلطنت کا فقیر ہوں

دیوانہ بے خودی میں بڑی بات کہہ گیا

اک حشر کی "گھڑی" کو ملاقات کہہ گیا

بادشاہت کا اعتبار ہے کیا

احتیاط درویش رہتا ہوں

زنجیرِ عشق میں جکڑا ابھی مقتل میں پہنچا ہوں
ابھی تو ٹکڑے ہونے ہیں، ابھی تقسیم باقی ہے

تجھ کو دعوٰی ہے عشق میں گرفتاری کا
لا دکھا پاؤں میں زنجیر ہمارے جیسی

ہم بھی عزت دار تھے اے واعظِ امیرِ حاکم
ہمیں اس پیٹ نے دی ہیں رسوائیاں بہت

میاں سنا ہے بڑی اذیت دیتا ہے
کیا کہتے ہیں اسے ہاں عشق

سلامت رہے غرور ان کا
ہم تو یوہی درویش ٹھہرے

سائیں تجھے معلوم ہے نا انداز عشق میں
سر خود بخود جھکتا ہے جھکایا نہیں جاتا

دنیا تو چھین لیتی ہے بہت کچھ سائیں

میری تو خیر مسکراہٹ تھی

سنا ہو گا کسی سے درد کی اک حد بھی ہوتی ہے

ملو ہم سے کہ ہم اس حد کے اکثر پار جاتے ہیں

وہ بھی پل صِراط سے گزریں گے کیا؟

جنکی زندگی ہی جہنم ہو

کب تلک در پر کھڑے رہنا ہے ان سے پوچھیئے

کیا وہ محشر کا تماشہ بھی یہیں چاہتے ہیں

یوں تو میرے اندر لفظوں کا سمندر بہتا ہے

پر اچھا لگتا ہے رُوبرو اُسکے صُمٌ بکُمٌ ہو جانا

بزمِ جاناں میں نشِستیں نہیں ہوتیں مَخصُوص

جو بھی اِک بار جہاں بیٹھ گیا بیٹھ گیا

سمجھ کے اُس کو غفور الرّحیم پیتا ہوں

نہ چھیڑ ذکرِ عذاب و ثواب پینے دے

بنا نہیں ہوں تو مٹی میں پانی پیدا کر

جو بن چکا ہوں پھر مادے سے نور کر

بخت کے تخت سے یکلخت اتارا ہوا شخص

تُم نے دیکھا ہے کبھی جیت کے ہارا ہوا شخص

مدعا کچھ نہیں فقیروں کا

درد ہے لا دوا فقیروں کا

حجرہ زات میں مقیم ہم لوگ

اک زمانے سے اعتکاف میں ہیں

اے رفو گر زرہ ہوش سے

زخم اپنوں کے، تیری توقع سے گہرے ہیں

★★★

خلق کی بے خبری ہے کہ میری رسوائی
لوگ مجھ کو ہی سناتے ہیں فسانے میرے

یہ بڑے خود کو انسان کہلوانے والے
بات کرتے ہیں تو اوقات نکل آتی ہے

واعظِ شہر تیری چرب زبانی کی قسم
تُو نہ ہوتا تو یہاں صرف مسلمان ہوتے

ان سے ضرور ملنا بڑے سلیقے کے لوگ ہیں
پھانسی بھی دے گے بڑے اہتمام کے ساتھ

جو فرصت ہو تو مرگ روشنی پر
کبھی دیکھو میری پلکوں کا ماتم

ہم نے رکھے ہی نہیں کچے گھڑے پانی میں
بس "عشق" کہا اور کود پڑے پانی میں

کرچیاں بن کے کبھی چُبھتے بہت ہیں

زخم جو دِکھتے نہیں دُکھتے بہت ہیں

میں سمندر سے لگا شورِ زمیں جیسا ہوں

مارتا رہتا ہے مجھ کو میرا کھارا پانی

یہ حقیقت بھی خوب تلخ ہے

کچھ اداکار وفادار بنے پھرتے ہیں

اپنی اوقات یاد رکھنے کو

تیرا لہجہ سنبھال رکھا ہے

قید کرتا ہوں خواہشیں دل میں

پھر انہیں خودکشی سکھاتا ہوں

غُربت زدہ ہُوں یُوسفِ کنعاں نہیں ہُوں میں

کیا دیکھتا ہے تُو میرا کُرتہ پھٹا ہُوا

حق کی آواز نہ دینا کہ مسلمان ہیں لوگ

قتل کر ڈالے نہ کوئی تجھے کافر کہہ کر

★★★

گھبرا کے آسماں کی طرف دیکھتی تھی خلق

جیسے خدا زمین پہ موجود ہی نہ تھا

★★★

ملتی نہیں ہے ناؤ تو درویش کی طرح

خود میں اتر کے پار اتر جانا چاہیئے

★★★

اللہ تیرے ہاتھ ہے اب آبروئے شوق

دم گھٹ رہا ہے وقت کی رفتار دیکھ کر

★★★

ہزاروں سال سفر کر کے پھر وہیں پہنچے

بہت زمانہ ہوا تھا ہمیں زمیں سے چلے

گُماں کی دھوپ کڑی ہے، ہزار ہیں رستے

یقیں کا اک شجرِ سایہ دار راہ میں ہے

★★★

اے آسمان تیرے خدا کا نہیں ہے خوف

ڈرتے ہیں اے زمین تیرے آدمی سے ہم

گرجا میں مندروں میں اذانوں میں بٹ گیا

ہوتے ہی صبح آدمی خانوں میں بٹ گیا

وہ کہہ رہے ہیں کہ آصف کو قتل کر دیں گے

نہ جانے خود کو زمیں دار کیا سمجھتے ہیں

انسان تیری عقل میں یہ بات کیوں نہیں آتی ہے

آری فقط درخت نہیں سانسیں بھی کاٹ رہی ہے

مجھ کو سجدے میں عجب دھیان آیا

سر ہے اس کا تو پھر سجدہ کس کو

خاتمے سے پہلے اگر ختم ہونا ہے تو سمجھ لو کہ خاتمہ ہو چکا ہے

مشین پر عورت کا نیند میں سوئی گرنا تیرے مقسوم کا ویرانہ ہے

سڑک کتنی بھی صاف ہو

دھول تو ہو ہی جاتی ہے

انسان کتنا بھی اچھا ہو

بھول تو ہو ہی جاتی ہے

کاغذ کی یہ مہک، یہ نشہ روٹھنے کو ہے

یہ آخری صدی ہے کتابوں سے عشق کی

میرے رفیق مجھے روند کے گزرتے رہے

میں گر گیا تھا کسی لاش کو اٹھاتے ہوئے

میں علیلِ عشقِ ذات ہوں

تیرا قرب ہی میرا علاج ہے

لہو کا دور ہے صاحب

شراب اب کون پیتا ہے

بددعاؤں کا، دعاؤں کا مزا لیتا ہوں

میں تو لوگوں کے رویوں کا مزا لیتا ہوں

رقصِ درویش کا یہ سلسلہ دنیا سے نا جوڑ

ہم کسی اور ہی لزت کے لیے جھومتے ہیں

بہت خامیاں نکالنے لگے ہو آجکل مجھ میں

آ و ایک ملاقات آئینے سے ذرہ تم بھی کرلو

تمہارے مسلک میں اتنا بھی سمجھایا نہیں جاتا

فقیروں اور درویشوں سے ٹکرایا نہیں جاتا

میں نے پایا ہے قریب رگِ گردن تجھ کو

طور والوں نے کہیں دور سے دیکھا ہوگا

اے فرشتو ہٹاؤ پردے آسمانوں کے

ہم عشق والوں کو خدا سے کلام کرنا ہے

تُو ازل کے راز جاننا چاہتا ہے تو اپنے آپ پر آنکھیں کھول

ایک بھی تُو، ہزار بھی تُو، چھپا ہوا بھی تُو، ظاہر بھی تُو

دب جاتی ہیں بھوکے بچوں کی سسکیاں

اس شہر میں آذانوں کا شور بہت ہے

ہم درویش لوگ ہیں ہمیں کسی سے کیا غرض بس

جن سے "محبت" ملتی ہے ان کے مرید ہو جاتے ہیں

سپرد خاک ہی کرنا تھا مجھکو

تو پھر کاہے کو نہلایا گیا ہوں

ممکن نہیں ہے مجھ سے یہ طرز منافقت

دنیا تیرے مزاج کا بندہ نہیں ہوں میں

میں نے طوائف سے ولیہ کا سفر بھی دیکھا ہے

اور نیکیاں ماتھے پہ سجائے زاہد بھی دیکھے ہیں

میرے چہرے سے نہ اندازہ نہ لگانا یہ عمر

مجھ پہ بیتی ہے بہت، میں نے گزاری کم ہے

میں یونہی دست و گریباں نہیں زمانے سے

میں جس جگہ کھڑا ہوں کسی دلیل سے ہوں

پنجابی اشعار

سارے رشتے نے ھن غرضاں والے
لوک بن گئے نے ھن مرضاں والے

اک دوجے نوں ھن کوئی نہ پہچھے
ناطے رہ گئے نے ھن بغضاں والے

ویکھاں یار کہ پڑھاں نمازاں میں
اسیں تسبیح مصلہ کیہ کرناں

مینوں رب ملیا وچ مرشد دے
بنا مرشد اللہ کیہ کرناں

لے کنگھرو عشق تیرے وچ پا
چھن چھن کردا نچی جاواں

لوکی آکھن جھلا مینوں
سن سن ھور وی نچی جاواں

اِکو تھاں دی مِٹی وِچو، بڑیاں سی دو اِٹاں
اِک اِٹ نال بنڑیاں مندر، دوجی نال بنڑی مسید

اِک تاں بنڑ گئی پاک مقدس
دُوجی ہوئی پلید

تسبیح دے اِک اِک دانے تے
تُوں یار دا وِرد پکؤندا رو

او رُسیاء آپّے مَن جائے گا
تُوں اپنا فرض نِبھوندا رو

اکھیاں ہور کسی نوں کیوں ویکھن
جدو کھوٹ ایمان وچ کوئی نہیں

تیرے دل دیاں یار خدا جانے
ساڈا ہور جہاں وچ کوئی نہیں

میں عشق نماز نئیں پڑھنی
مینوں عشق عبادت معاف سائیں

میرا من میلا میرا تن میلا
میری نیت وی نئیں صاف سائیں

عشق ملنگ دے انگ انگ رچیاں
من فقیری رنگ دے وچ رنگیاں

آتش وانگوں لُوں لُوں مچیاں
ھو جا راضی میرے یار سچیاں

میں روٹی دی بُھک جھل لےساں
تیرا ہجر نئیں جھلّیا جاناں

سانوں مارو ساڑو بَال دیو
ساتھوں یار نئیں چھڈیا جاناں

ساڈے ورگی تینوں نہی چڑنی
بھاویں پی جا بِھ کے ٹِھیکے

ساڈے وچ فقیر نچدا اے میاں
تے رب سامنڑے بِھ کے ویکھے

عین عِشق دا راز ناں پُچھ بیبا عِشق مرتبہ پیر فقیر دا اے
عِشق ذات سَچی عِشق بات سَچی عِشق اَوّل تے روگ اخیر دا اے

کالے میرے کپڑے تے کالا میرا بھیس
گناہ واں بھریا پھراں لوگ آکھن درویش

توں لکھاں کروڑاں دی گل نا کر
میرے اک وی یار دا مل کوہی نی

جدوں لبھدے ساں اودوں لبھیا نئیں
جدوں لبھیا آپ گواچ گئے

ساہ وی کیہڑا سوکھا آؤندا
اک موڑاں تے دوجا آؤندا

نیند نہ ویکھے بسترا، تے بھوک نہ ویکھے ماس
موت نہ ویکھے عمرنوں تے عشق نہ ویکھے ذات

حکایات

گہرائی لکھنے والے کے اندر نہیں پڑھنے والے کے اندر ہوتی ہے۔

اور پھر وہی لوگ غلط سمجھتے ہیں
جن پر مان ہوتا ہے کہ وہ ہمیں سہی سمجھیں گے۔

جب دل میں میل، طبیعت میں ضد اور لفظوں میں مقابلہ آ جائے
تو یہ تینوں جیت جاتے ہیں، بس رشتے ہار جاتے ہیں۔

تعلق جتنا مرضی پُرانا یا گہرا ہو تھوڑا محتاط رہو کیونکہ
آجکل تو اپنوں میں سے بھی کوئی نا کوئی منافق ضرور نکل آتا ہے۔

ہماری زندگی میں وہ شخص سب سے بہترین ہوتا ہے
جو ہمیں اُس وقت بھی سمجھتا ہے جب ہم خود بھی اپنے آپ کو نہیں سمجھ پاتے۔

جو رشتے ہماری طاقت ہوتے ہیں

اکثر وہی ہماری کمزوری بھی ہوتے ہیں۔

⭐⭐⭐

اگر کسی کی برائی کیساتھ اچھائی بھی یاد رہے

تو تعلق ٹوٹنے کی نوبت نہیں آتی۔

⭐⭐⭐

کچھ لوگ دُکھ دیتے ہی اس لئے کے

اگلے بندے کا تماشا دیکھ سکیں۔

⭐⭐⭐

اثر الفاظ میں نہیں اثر لہجوں میں ہوتا ہے

میٹھا بولنے والوں کی مرچیں بھی بک جاتی ہیں

اور کڑوا بولنے والوں کا شہد بھی نہیں بکتا۔

⭐⭐⭐

ہم لوگ نفرتوں، دھوکوں، سازشوں اور بے یقینیوں

کے اتنے عادی ہو چکے ہیں محبتوں اور خلوص سے

بڑی مشکل سے اعتبار کر پاتے ہیں۔

⭐⭐⭐

قرآن صرف ماضی کی ایک داستان نہیں

قرآن حال اور مستقبل کا نصیحت نامہ ہے

⭐⭐⭐

جب میں ہوتا ہوں، کچھ بھی نہیں ہوتا

میرا ہونا ہی میرے من کی بربادی کا موجب ہے

کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا نہ ملاں، نہ پیر، نہ صوفی، نہ فقیر

⭐⭐⭐

کتنے لوگ ہیں جو سمندروں کی طرح بولتے ہیں

مگر ان کی سوچ گندے جوہڑوں کی طرح محدود ہے۔

⭐⭐⭐

عشق کے مقام کو جو سمجھ جاتا ہے، وہ چپ رہتا ہے

عشق جسم سے نہیں ہوتا، عشق روح سے ہوتا ہے

عشق ہو جائے تو الحام ہوتا ہے۔

⭐⭐⭐

عروج کی طرف جاتے ہوئے راستے میں پھولوں کے بیج

پھینکتے جاؤ تاکہ زوال کا سفر پرسکون رہے اگر کانٹے پھینک کر

جاؤ گے تو واپسی پر خاردار جھاڑیاں ملیں گی اور واپسی کا سفر

تو پھر ہر صورت طے کرنا ہی ہوتا ہے۔

⭐⭐⭐

اگر گرنا ہی آپ کی فطرت ٹھہرا تو کوشش کریں
پہاڑ سے گریں، نظروں سے نہیں۔

★★★

کوئی اچھا لگے تو اس کے عیب بھی خوبیوں کی طرح لگتے ہیں
اور دل بھر جائے تو بس عیب ہی عیب خوبی ایک بھی نہیں۔

★★★

ضرورت سے زیادہ اچھے نہ بنو
جو جیسا ہے اس کو ویسی ہی جگہ پر رکھو۔

★★★

اکثر لوگ تو بظاہر دوستانہ یا ہمدردانہ رویے کے ساتھ
اپنا اُلو سیدھا کر کے سائیڈ پر ہو جاتے ہیں۔

★★★

جن کے دلوں میں رحم، طبیعت میں سادگی
احساسوں میں خلوص اور سوچوں میں سچائی ہو
ایسے لوگوں کا وجود اللہ کی طرف سے مخلوق کے لیے نعمت ہے۔

★★★

جسم کو موت آتی ہے کردار کو نہیں اپنے کردار کو بہتر بناؤ
موت کے بعد بھی تمہیں یاد کیا جائے گا

★★★

تاریخ گواہ ہے انسانیت کو سب سے
گہرے زخم انسان سے ہی ملتے ہیں۔

★★★

کچھ لوگوں کے اندر ایسے کیڑے ہوتے ہیں
جو دوسروں کے اندر کیڑا ڈھونڈتے ہیں۔

★★★

ناراضگی گلے شکوے وہاں اچھے لگتے ہیں جہاں اپنائیت ہو
جہاں کسی کو مان رکھنا نہ آتا ہو وہاں خاموشی سے مسکرا دینا
ہی اچھا ہوتا ہے۔

دنیا کا سب سے اچھا تحفہ وقت ہوتا ہے
کیونکہ اگر آپ کسی کو اپنا وقت دیتے ہیں تو
آپ اپنی زندگی کا وہ پل دیتے ہیں جو کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔

★★★

ادب کا دروازہ اتنا چھوٹا اور تنگ ہوتا ہے کہ

اس میں داخل ہونے سے پہلے سر جھکانا پڑتا ہے۔

ہمیشہ مخلص لوگوں سے ناطہ جوڑو کیونکہ وہ اچھے دنوں میں

سرمایہ اور برے دنوں میں محافظ ہوتے ہیں

اپنا کردار اتنا مضبوط اور اپنا ظرف اتنا وسیع کرلو کہ

لوگ خود تم سے تعلق رکھنے میں فخر محسوس کریں۔

زندگی کی ٹھوکر بہت نرالی ہے جب بھی لگتی ہے

کسی نہ کسی کی یا تو اصلیت دکھا جاتی ہے یا پھر کچھ نہ کچھ سکھا جاتی ہے۔

صبر کرنا، درگذر کرنا اور معاف کرنا، خیر کے انمول

خزانوں میں سے ہیں جنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ صرف

اپنے مقرب اور بہترین بندوں کو ہی عطا کرتا ہے۔

زندگی ان ہی کی اچھی گزرتی ہے جو
دوسروں کی زندگی کو اچھا بناتے ہیں۔

زندگی میں بڑا کام وہی لوگ کرتے ہیں جو خواب دیکھا کرتے ہیں
مگر جو لوگ "خواب ہی" دیکھا کرتے ہیں وہ زندگی میں کچھ نہیں کر پاتے۔

ان لوگوں کے ساتھ تو گزارہ ہو سکتا ہے جن کی طبیعت خراب ہو
لیکن ان لوگوں کے ساتھ گزارہ نہیں ہو سکتا جن کی تربیت خراب ہو۔

اگر اصول پر ہو تو ڈٹ جاؤ لیکن اَنا پر ہو تو ہٹ جاؤ کیونکہ
آدمی کو عاجزی نہیں بلکہ ہمیشہ اسکا تکبر لے ڈوبتا ہے۔

اگر آپ سچ بولنے کی آڑ میں مخاطب کی دل آزاری
کا سبب بن رہے ہیں تو یہ سچائی کا پرچار نہیں بلکہ آپ کے
نفس، تکبر اور اَنا کی تسکین کا سامان ہے۔

کبھی کبھار کسی کے ساتھ بہت زیادہ تلخ اور برا بننا پڑتا ہے

اسے مضبوط بنانے کے لیے، بیشک پھر آپ اسے اچھے نا لگیں

پر کم از کم آپکے دل کو سکون تو رہے گا کہ وہ کمزور نہیں رہا۔

⭐⭐⭐

فیصلے اور فاصلے میں محض الفاظ کی ترتیب کا فرق ہوتا ہے مگر

ہمارا ایک غلط فیصلہ اپنوں کے درمیان بہت لمبی دیوار کو

جنم دے دیتا ہے اور ہمارے اس ایک غلط فیصلے کی

تاثیر ہماری پوری زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔

⭐⭐⭐

اگر کبھی کسی کی کوئی بات بری لگے تو دل میں رکھنے کی

بجائے اس انسان کے سامنے بات کر دیں

اسے بتا دیں کہ آپ کے دل کو تکلیف ہوئی ہے

دل میں بات رکھنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے

اور مردہ دل قبرستان کی طرح ہوتے ہیں جہاں کبھی خوشی کا گزر نہیں ہوتا۔

⭐⭐⭐

مجھے اس بات پر حد درجہ یقین ہے کہ

جو جیسے ہوتا ہے دوسروں کو بھی ویسے ہی سمجھنے لگتا ہے

بہت سے لوگوں کو سامنے والے بشر میں اپنا عکس ضرور نظر آتا ہے۔

ہر تنہا شخص اَنا پرست نہیں ہوتا کچھ لوگ اس لیے بھی اکیلے رہتے ہیں

انکے خیال میں انکو سمجھنے والا ان جیسا کوئی نہیں اسلیئے

زیادہ لوگوں سے میل جول بڑھانے سے بہتر

انہیں تنہائی بہترین دوست لگتی ہے۔

دُنیا میں کِسی بھی رِشتے سے محبت کی جائے یا محبت ہو جائے

یہ بات اہم نہیں، اہم بات یہ ہے کہ خود سے منسلک رِشتوں

سے محبت نبھائی جائے اور ایسا وہی کر سکتے ہیں جو صبر، برداشت

وفا میں کمال رکھتے ہوں کیونکہ کسی بھی رِشتے کو ہمیشہ کے لئے

توڑنے سے بہتر ہے تھوڑا سا جُھک کر اُسے بچا لیا جائے۔

⭐⭐⭐

ایک مطلبی دوست سے مخلص دشمن ہزار گنا بہتر ہے جو
آپ کی امیدوں پر پورا اترتا ہے اور کبھی آپ کی شرافت
سادگی اور معصومیت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔

اپنوں کی غلطیاں بھی اپنی ہی ہوتی ہیں
مل جل کر سدھار لینی چاہئیں، انا اور تکبر کی دستار باندھ کر
دوسروں کے جھکنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے یہی رشتوں کی بقا کا راز ہے۔

محبتیں بانٹنے والے خود پیاسے ہی رہتے ہیں کیونکہ
دنیا یہ سمجھتی ہے ان کو تو محبت کی ضرورت ہی نہیں
ان کے پاس تو محبتوں کے خزانے موجود ہیں
اگر آپ محبت بانٹنے والوں میں سے ہیں
تو سمجھ لیں دنیا آپ کے قدموں میں ہو گی

الگ طرح کا کوئی رنگ روپ دھارا گیا
پھر اس کے بعد مجھے دوستوں میں مارا گیا
اگر میں شعر نہ کہتا تو اور کیا کرتا
مجھے زمین پہ کس واسطے اتارا گیا